TAMEER–E–HAYAT • ISSN 2582-4619 • VOL 57 • ISSUE 08 • 25 FEB. 2020

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مشترک مسائل پر مشترکہ جدو جہد کی ضرورت

ہماری سب سے بڑی طاقت ہمارا اتحاد ہے، مسلمانوں کے درمیان اصولِ دین میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور بہت کم ایسے مسائل ہیں جن میں امت کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے؛ مگر بدقسمتی سے ہم اتفاق واتحاد کی سینکڑوں بنیادوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور انگلیوں پر گنے جانے والے چند اختلافی مسائل کو اپنی جدو جہد کا محور بنا لیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہے کہ مذہبی اختلاف نے ہماری صفوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ہم اس ملک میں ؛ بلکہ پوری دنیا میں بے وزنی کا شکار ہیں، اس لیے ہمیں حالات کو دیکھتے ہوئے اپنی صفوں میں وحدت کو برقرار رکھنا چاہیے، اختلاف وانتشار سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور مشترک مسائل پر مشترکہ جدو جہد کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اسی میں ہماری دنیا وآخرت کی سرخروئی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

فی شمارہ ₹20

۲۵ فروری ۲۰۲۰ء

سالانہ زرتعاون ₹400

شعر وادب

نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت، کہاں حجابِ دلیل

اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا، قندیل

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

☆☆☆☆☆

اداریہ

مسلمان کی شان!

شمس الحق ندوی

مسلمان تو وہ ہے جن کو کسی انسان کو کھلا کر فاقہ کرنے میں وہ لطف ومزہ آتا ہے، جس پر کھانوں کی ہزار لذتیں قربان، جن کا یقین ہے کہ انسانیت سے بڑھ کر کوئی شرف اور عزت واحترام کی چیز نہیں، وہ انسانیت کی تعمیر کا خواب دیکھتے ہیں، اور اپنے اندر اس کا عزم وحوصلہ پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے، ہمیں اپنی اور دوسرے انسانوں کی زندگی کو اسی کی مرضی اور حکم کے سانچے میں ڈھالنا ہے، ایسا نہیں کہ دوسری تمام مخلوق کی طرح ہم مرکر مٹی میں مل جائیں گے؛ بلکہ ہمیں اپنے مالک کے سامنے حاضری دینی ہے، اور اس مالک نے ہم کو جو عظیم صلاحیتیں عطا کی ہیں، ان کا حساب دینا ہے کہ ہم نے ان صلاحیتوں کو صرف ایجادات، اور سامان عیش وعشرت کو بڑھانے میں لگائی، یا اس کے حکموں کی تابعداری کرنے اور دوسروں کو تابع بنانے کی فکر وکوشش کی، اسی میں راز پوشیدہ ہے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا، اور اسی میں راز پوشیدہ ہے: "أُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ" اور "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ، ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه" (وہ لوگ ہیں ساری مخلوق سے بہتر، اللہ ان سے راضی اور وہ ان سے راضی، یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا اپنے رب سے)۔

اس کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی اور تاریخ اسلامی کی بے شمار شخصیتوں میں وہ مثالیں ملتی ہیں جو مسلمان کے لیے روشنی کے مینار کا کام دیتی ہیں؛ لیکن "وَجَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" کے دھوکہ میں اکثر مسلمان اس فانی دنیا ہی کے پرفریب جال اور زیب وزینت کے اسباب حاصل کرنے میں اپنی صلاحیتیں لگاتے ہیں، جن کی ساری جدوجہد، تگ ودو، کاوش وکوشش کا مدعا اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کی لذتیں رہتی ہیں۔

بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدے اور خطابات، نام ونمود، شہرت واعزاز، علمی ترقیاں، معاشی فلاح یابیاں ہی ہوتی ہیں، اور محض اپنے غلط خیال اور خواہش نفس کے موافق اپنی روش کو بہتر سمجھتے ہیں، افسوس آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح و شام، رات ودوپہر، سب اسی دنیا کے فریب میں پڑے ہوئے ہیں، اور زندگی رضائے مولیٰ سے بالکل منہ موڑے ہوئے گزر رہی ہے۔

مسلمانوں کو تو کتاب ہدایت ملی ہے، جس سے انسانی آداب واخلاق نے تکمیل کا درجہ پایا، عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کے نمونے سامنے آئے، دنیا کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آیا جس کو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، کاش کہ مسلمان اپنی زندگیوں کا از سر نو جائزہ لیتے، اور اس کھوئی ہوئی دولت کو پھر سے حاصل کرتے جس سے پوری دنیا کے انسانوں کو روشنی ملتی، خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر ہم اپنی بات ختم کرتے ہیں:

"علم دین بہترین میراث ہے، ادب وتربیت کا مشغلہ بہترین کام ہے، زہد وتقویٰ بہترین توشہ ہے، جو سفر آخرت میں کام آتا ہے، خلوص دل کے ساتھ اللہ کی بندگی میں متاع گراں مایہ ہے، عمل صالح ایمان کی منزل کی طرف بہترین رہنمائی کرنے والا ہے، اخلاق فاضلہ بہترین ساتھی، اور تحمل وبردباری بہترین معاون ومددگار ہے، قناعت سے بڑھ کر کوئی تونگری نہیں ہے، اور توفیق الٰہی سے عمدہ کوئی یار ومونس نہیں، اہل بصیرت کے لیے موت سے زیادہ کوئی عبرتناک شئے نہیں ہے، خبر مرگ قافلۂ عمر کے لیے بانگ رحیل ہے"۔

☆☆☆☆☆

خیال افروز

ایک نیا چیلنج اور اُس کا مقابلہ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انجمن الاصلاح میں ۱۴ر مئی ۱۹۹۳ء کو کی گئی چشم کشا تقریر

● ....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

سعادت دارین

تعلیماتِ قرآن مجید

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

اچھے اخلاق کی تلقین

اخلاق، خلق کی جمع ہے، یہ انسانی کردار کا وہ طرز ہے جس میں انسان بغیر کسی خاص ارادہ کے بہ سہولت اپنا عمل ظاہر کرتا ہے، اوراس میں انسان کے جذبات وخواہشات کارفرما ہوتے ہیں، جو بعض وقت خراب صورت کے حامل ہوتے ہیں، ان کو اچھے انداز کا بنانا اور خراب اور ناپسندیدہ طرز سے بچانا انسان کو قابل تعریف بناتا ہے۔

قرآنی ہدایات اس سلسلہ میں اعلیٰ اور پسندیدہ طرز اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہیں، وہ انسان کی شخصی آزادی کو سلب نہیں کرتیں، بلکہ وہ انسانی معاشرہ میں انصاف اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور رعایت کی طرف توجہ دلاتی ہیں تا کہ افراد میں اچھے کردار کا احساس فروغ پائے۔

قرآن کی جامع اخلاق آیت یہ ہے کہ جس میں قرآن نے اخلاق کی بنیادی تعلیمات کا پرچار کیا ہے:

”إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِیْتَاءِ ذِیْ الْقُرْبَی وَیَنْھَی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“. (خدا تم کو انصاف، اور اچھا طریقہ کار اور رشتہ داروں کی مدد کا حکم دیتا ہے، وہ بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ عمل اور دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے سے روکتا ہے، وہ تم کو نصیحت کرتا ہے، (اس کے پیش نظر توقع ہے کہ) تم نصیحت حاصل کرو“۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے اخلاق کی بنیادی تعلیم عدل واحسان کو قرار دیا ہے اور بے حیائیوں اور بری باتوں سے منع کیا ہے تا کہ انسانی اخلاق اچھے اور بلند کردار کے ساتھ رائج ہو اور بے توجہی کا شکار نہ ہوجائے۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں جگہ جگہ اعلیٰ انسانی کردار واخلاق کی تلقین ملتی ہے، اور وہ سادہ انداز میں اور دل کو موہ لینے والے اسلوب میں بیان کی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ

قرآن مجید کا آغاز رب العالمین کی حمد اور تعریف سے ہے اوراس کے احکام کو تسلیم کرنے اوراس سے مدد چاہنے پر مشتمل سورہ سے کیا گیا ہے جسے سورہ ”فاتحہ“ کہتے ہیں، یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، اور ہر نماز کے ہر حصہ یعنی رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس طرح بندہ اور رب کے درمیان جو تعلق ہے اس کا شب وروز میں بارہا اظہار اور اقرار کیا جاتا ہے، اس کے ذریعہ یہ متنوع صفات رکھنے والی مخلوق انسان اپنے خالق ومالک اللہ رب العالمین کا جو تمام کائنات کا خالق ومالک اور پالنہار ہے، بندہ ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے اوراسی کی عبادت کرتا ہے:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ، إِیَّاکَ نَعْبُدُ وإِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، اھدِنَــــا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنعَمتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ المَغضُوبِ عَلَیْھِمْ وَلاَ الضَّالِّیْنَ“. [سورہ فاتحہ:۱-۷]

(سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہیں، جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، انصاف کے دن کا حاکم، اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو سیدھے راستے چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل وکرم کرتا رہا ہے، ان لوگوں کے راستہ پر نہیں جن سے تو ناراض ہوا اور نہ ان کے راستہ پر جو اچھے راستہ سے بھٹک کر غلط چلے گئے۔

پہلی آیت ”الحمد للہ رب العالمین“ کے پہلے جزء میں بندہ کا اپنے رب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکرواعتراف ملتا ہے، کہ تعریف اور شکر اسی ذات اعلیٰ کا ہے جو اللہ کے نام سے موسوم ہے، اور وہ ساری مخلوقات کا پالنہار ہے اور سب کی زندگیوں کی کفالت کرنے والا ہے، سہارا دینے والا ہے، رب العالمین رب کائنات ہے۔

الرحمن الرحیم: اس کی اہم صفت رحم اور کرم ہے، ساری مخلوقات کی راحت اور بھلائی کا انتظام کرتا ہے، اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے کہ اس کی رحمت اور مہربانی کی کوئی انتہا نہیں۔

مالك یوم الدین: اسی کے ساتھ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کی رحمتوں اور نعمتوں کو کتنا مانتا ہے، اوراس کے کہنے پر کتنا چلتا ہے، اوراس کے محاسبہ کے لیے اس نے ایک دن مقرر کیا ہے، جس میں دنیا کی موجودہ زندگی کو ختم کردینے کے بعد نئی زندگی عطا فرمائے گا اوراس زندگی کے آغاز میں سب کو اس کے سامنے پیش ہونا ہوگا اوراس ذات اعلیٰ وبرتر خالق ومالک کل

واحکم الحاکمین کے پاس سب کی حاضری ہوگی اور وہ ایسا دن ہوگا جس میں سب اپنی دنیاوی زندگی میں کیے ہوئے اعمال کا حساب رب العالمین مالک یوم الدین کے سامنے دیں گے جو اس دن کا تنہا مالک وحاکم ہوگا جس کو فرمایا: "لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" [سورہ غافر:۱۶] (آج حکومت کس کی ہے، تنہا اللہ کی ہے جو زبردست ہے)۔

لہٰذا بندہ کو ابھی سے اس بات کی فکر رہنی چاہیے کہ وہ اس دن کے لیے تیاری کرے، اور انسانوں کو پیدا کرنے کی جو غرض مطلوب ہے اس کو وہ پورا کرے یعنی اپنے رب کی تابعداری اور شکرگزاری کرے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ : یعنی یہ درخواست کرے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

وإياك نستعين : اور چونکہ صحیح تابعداری اختیار کرنا اور بری باتوں سے اپنے کو بچانا مشکل کام ہے، جس میں بندہ اپنے رب کی مدد کا طالب ہے، اور وہ مدد اس کی طرف سے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کا مالک ہے، لہٰذا ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اور پوری رہنمائی فرمائے اور توفیق دے سیدھے راستہ کی "اهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ"۔

جیسا کہ ان بندوں کے ساتھ اس نے کیا ہے جن پر اس کا خصوصی کرم ہے: "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ"۔

اور ان لوگوں کے طور طریق سے بچا جن سے تو ناراض ہے یا وہ نافرمانی میں مبتلا ہیں، "غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ"۔

اس طریقہ سے یہ سات آیتیں اس مقصد و عمل کا خلاصہ پیش کردیتی ہیں، جو بندہ اور رب کے درمیان میں مطلوب ہے، ان سات آیتوں کی سورت قرآن مجید کے شروع میں آئی ہے اور اسی لیے اس کو سورہ فاتحہ کا نام دیا گیا ہے، اور اس کی جامعیت کے لحاظ سے اس کو وظیفہ بنادیا ہے جس کے ذریعہ بندہ بار بار اپنے رب سے عبدیت کا اظہار کرتا ہے اور مدد مانگتا ہے۔

قرآن مجید سورہ فاتحہ کے بعد جن سورتوں پر مشتمل ہے وہ ۱۱۳ سورہ ہیں، جو انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے بکثرت معاملات کے سلسلے میں توجہ دہانی اور رہنمائی پر مشتمل ہیں۔

نزول کی ترتیب میں پہلی سورہ اقرأ، علم کی تلقین کی سورہ

قرآن مجید کی سورتوں میں سب سے پہلے نازل کی گئی آیتیں سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں، وہ اقرأ سے شروع ہوئیں۔

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ، كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَى، أَن رَّآهُ اسْتَغْنَى، إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى"۔ [سورہ علق:۱-۸] (ان میں اللہ کے نام کے ساتھ پڑھنے یعنی علم کو اختیار کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے کی تاکید کی گئی ہے، اور اس طرح انسان کی جو سب سے بڑی امتیازی حیثیت ہے جس میں ساری مخلوقات ارضی پر اس کو امتیاز دیا گیا ہے، یعنی علم کی صلاحیت سے فائدہ اٹھا کر زندگی اور اردگرد کے حالات سے واقفیت حاصل کرکے ان کو ترقی دینے اور اپنے حالات واعمال کو سنوارنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اس توجہ دہانی کو اگر ہم انسانی تاریخ کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا میں جو انسانی ترقیات اور تحقیقات وانکشافات سامنے آتے رہے اور آتے رہیں گے، وہ سب اس خداوندی عطیہ یعنی انسان کو دوسری مخلوقات پر فوقیت علم حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی خصوصیت ہے جو اس خالق ومالک رب العالمین نے انسان کو دوسری مخلوقات ارضی پر ترجیح دیکر عطا کیا ہے، علم کے عطیہ کے تذکرہ کے ساتھ یہ بھی ظاہر کردیا کہ انسان اپنی خود پسندی اور احساس برتری کے دھوکہ میں آکر غرور میں مبتلا ہوسکتا ہے جسکے نتیجہ میں انسانی سوسائٹی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر بڑی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

اس لیے پہلی نازل ہونے والی سورہ یعنی سورہ اقرأ میں علم کا حوالہ دیکر اس کو خدا کے نام سے جوڑا گیا کہ علم میں تم کتنی ہی ترقی کرو اور علم میں تم کتنا ہی فائدہ اٹھاؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ علم کی یہ امتیازی خصوصیت دراصل تمہارے مالک اللہ رب العزت کا عطیہ ہے، لہٰذا علم کو اس کے نام کے ساتھ وابستہ رکھیں، لہٰذا اس کے نام سے یہ وابستگی اس کے شکر واطاعت سے الگ نہ ہو اور جب علم اس کے خالق یعنی اللہ رب العزت سے وابستہ ہوکر چلے گا تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں کی صلاح وفلاح کا ذریعہ ہوگا اور ان خرابیوں سے محفوظ رہے گا جو انسان کے احساس برتری اور غرور اور خود پسندی سے پیدا ہوتی ہے، یہ قرآن مجید کی وساطت سے رب العالمین کا پہلا سبق تھا جو انسان کو دیا گیا ہے اور انسانی تاریخ کے آئندہ آنے والے عہد کے شروع ہونے سے متصلاً قبل نازل ہونے والی کتاب میں دیا گیا جو عہد انسانوں میں

علم کی کثرت اور علم کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں رواج دیا جانے والا اور سارے انسانوں کے مابین عالمی قربت وتعلق کا عہد بننے والا تھا، اور یہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے اس سورت میں دیا گیا جو نازل ہونے کے اعتبار سے پہلی سورت ہے، پھر تمام سورتوں کے نازل ہوجانے کے بعد سورتوں کی ترتیب انسان کی زندگی کے سارے تقاضوں کو سامنے رکھ کر نئی ترتیب قائم کی گئی، اس میں سورہ فاتحہ کی آیات کو سب سے مقدم رکھا گیا جو اپنے مضمون کے لحاظ سے گویا پورے کلام الٰہی کا مقدمہ اور بہترین تمہید ہے۔

یہ ترتیب تلاوت اور استفادہ کے لحاظ سے رکھی گئی، اس ترتیب میں یہ سورہ یعنی سورہ فاتحہ شروع میں رکھی گئی جو کہ ہر موقع پر اولیت کا مقام رکھتی ہے، اس میں رب العالمین کو ماننے، اس کے احسان کو تسلیم کرتے ہوئے زندگی کی درستگی کے لیے اس سے مدد چاہنے اور گمراہی سے بچائے جانے کی دعا ہے، اس کے بعد جو سورہ دیگر تمام سورتوں سے مقدم رکھی گئی وہ ایک بڑی اور جامع سورت ہے، جو سب سے بڑی اور تفصیلی سورہ ہے جس کا نام سورہ بقرہ ہے۔

سورہ بقرہ اور دیگر سورتیں

پہلی سورت سورہ بقرہ کا آغاز کلام الٰہی کی اہمیت اور عظمت کے تذکرے سے شروع ہوا۔

"الم، ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ، وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ". [سورہ بقرہ:۱-۵] (الف لام میم، یہ کتاب کہ کوئی شبہ اس میں نہیں، ہدایت ہے اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لیے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور یقین تو بس آخرت ہی پر رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور پورے بامراد تو بس یہی ہیں)۔

ان ابتدائی آیات میں اس بات کا اظہار ہے کہ زندگی کو سدھارنے اور صحیح کرنے کے لیے رب العالمین کا قانون اور دستور مقرر ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اپنے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کو دل سے مانا جائے اور جو باتیں آنکھوں سے نہیں دیکھیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعہ اور اس کے رسول کے ذریعہ بتائی گئی ہیں ان کو اپنی صلاحیت طلب وتحقیق کے ذریعہ حاصل کیے جانے والے علم کی طرح ہی مانا جائے، اور پھر اپنے رب کی دی ہوئی زندگی اور زندگی کی سہولتوں کے ملنے پر اس کا شکر عبادت کی شکل میں ادا کیا جائے، اس میں بنیادی عمل یعنی نماز پڑھنا ہے جو عبادت کی نہایت جامع اور مؤثر شکل ہے اور اپنی انسانی برادری میں ضرورت مندوں، حاجت مندوں کی مدد کرنا جو کہ انسانوں کی تکلیف ودکھ درد میں شریک وہمدرد بننے کا طریقہ ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب قرآن مجید اور اس سے پہلے نازل کی گئی کتابوں کو تسلیم کرنا جن میں دی ہوئی تعلیمات و ہدایات انسان کی اپنے پروردگار کے سامنے اپنی عبدیت وبندگی کے طریقوں سے واقف کراتی ہیں، اور اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ پیغام پہونچانے والوں جو انبیاء علیہم السلام کہلائے، ان کو بھی ماننا اور اس بات کو بھی تسلیم کرنا کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آئے گی جس میں اس دنیاوی زندگی میں کیے گئے، اعمال کی جزا وسزا ملے گی، آخرت کی زندگی پر ایمان دراصل انسانی زندگی کی درستگی کے لیے بہتر کنٹرول کا ذریعہ ہے، یہ مضامین وہ مضامین ہیں جو انسان کے امتیازی اخلاق وکردار اور اس کے مرتبہ ومقام کی اعلیٰ سطح کی واضح نشاندہی کرتے ہیں۔

ان مذکورہ بالا آیات کے بعد کی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے نبیوں ورسولوں اور ان کی قوموں کا تذکرہ کیا گیا اور ان باتوں کا تذکرہ کیا گیا جو ان قوموں نے اپنے خالق ومالک اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں اپنے پروردگار کی ناراضگی کے مستحق ہوئے اسی کے ساتھ ساتھ بہت سے ضروری احکام بیان کیے گئے۔

اس کے علاوہ اس طویل ترین سورت میں انسانی زندگی میں پیش آنے والی حق وباطل کی باتیں بیان کی گئیں جو انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نصیحت اور رہنمائی اور توجہ دہانی پر مشتمل ہیں۔

اس طویل سورت سورہ بقرہ کے بعد دوسری سورتیں بھی اس سے ملتی جلتی مختلف ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہونے کے ساتھ نہایت مؤثر انداز کلام پر مشتمل نازل ہوئیں جن کی اثر انگیزی اور کلام کی خوبی، کلامِ الٰہی کی دلیل ثابت ہوتی ہے کہ اس کو پڑھ کر اور سن کر انسان خود یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے،

خداوندی کلام ہے، اس کی مختلف سورتوں میں خالق کائنات رب العالمین کی قدرت اور کرم و عنایت کی جگہ جگہ بڑے مؤثر انداز میں مثالیں دی گئی ہیں، سابقہ قوموں کے غلط اور برے کردار کے واقعات بتا کر ان کو نبیوں کے ذریعہ سمجھانے اور اچھے کردار اور ایمان کی طرف بلانے کے واقعات بھی بیان کیے گئے جو اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے بڑے مؤثر واقعات ہیں، اور بہت زیادہ نافرمانی پر جو عذاب دیا گیا اس کو بھی بیان کیا گیا ہے، اس طریقے سے قرآن مجید کا کلام و بیان انسانی ہدایت کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوا، لیکن یہ ان لوگوں کے لیے جو زندگی میں احتیاط اختیار کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ غور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں اور اپنی خود رائی اور خود پسندی میں مدہوش ہیں، ان کا حسن وخوبی اور بہتر زندگی سے بھٹک کر جانوروں کی طرح بن جانا تعجب کی بات نہیں۔

ان کو توجہ دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی خوش بیانی اور مؤثر انداز کے بجائے دوسرا کھلا ہوا اور مؤثر ذریعہ اختیار کر سکتا تھا جو ان کی فطرت کو ان کی پیدائش ہی کے وقت سے ایک حالت پر مقرر کر دیتا کہ وہ ویسا ہی کرنے پر مجبور ہوتے جیسا دوسری مخلوقات میں ہے، لیکن اس میں انسان کے عمل کی خوبی اس کی اختیاری نہ ہوتی، اضطراری ہوتی، جس سے انسان کی کوئی خوبی سامنے نہ آتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم چاہتے تو سب کو راہ راست پر لے آتے لیکن اس سے انسان کی اختیاری خوبی سامنے نہ آتی اور انسان کے جذبے وعمل کا امتحان نہ ہوتا اور پھر سزا و جزا کا مسئلہ نہیں رہتا، اس طریقے سے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب ہدایت ہے جو انسان کو امتیازی صلاحیت دے کر اس کی رہنمائی کرتی ہے اور توجہ دلاتی ہے کہ انسان پھر یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو بتایا نہیں گیا تھا۔

جو انسان زندگی میں احتیاط اختیار نہیں کرتے اور ان کو اپنے رب کی ناراضگی کی پرواہ نہیں، ان کے مقدر میں آخرت کی پکڑ اور عذاب ہے، وہاں جب ان کی خراب زندگی کا نتیجہ سامنے آئے گا اور ان کو توجہ ہوگی تو وقت نکل چکا ہوگا اور کوئی حل سامنے نہ آئے گا سوائے انجام بد کے اور سزا کے، اس کی طرف قرآن مجید میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

مجلس صحافت ونشریات کی جدید و دیدہ زیب طباعت

فتاویٰ ندوۃ العلماء

جلد اول --تا-- سوم

مکمل صفحات: ۱۳۶۲ قیمت: ۱۱۰۰؍روپے

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

موبائل نمبر: 9415515578, 9889664104

ای میل: ahmadniyaz7893@gmail.com

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از- (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 0998449015, 09919042879

فکر و عمل

عصر حاضر کا انسان - فرض منصبی اور حقائق

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

دور حاضر میں انسان اگرچہ تہذیبی لحاظ سے ترقی کر چکا ہے، اور زندگی کے اجتماعی اور انفرادی شعبوں میں "جدیدیت" کے مراحل طے کر چکا ہے، لیکن وہ اپنے اس پرانے دور کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا، جس میں اس نے تمام لوازمات زندگی کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، وہ ایسی خاندانی اکائیوں میں مل کر رہتا تھا، جو اکائیاں مصنوعی تہذیب کے قید و بند سے آزاد تھیں، اور وہ انسانی حقوق و واجبات کا بہت زیادہ لحاظ کرنے والا ہوتا تھا، وہ گھر ہو یا سوسائٹی، ہر جگہ انسانی قدروں کا نمونہ بن کر زندگی گزارتا تھا، اور انسانی تعلقات کو بحسن و خوبی ادا کرتا تھا۔

سائنسی انقلاب، لیکن دراصل انسانیت کا زوال

عصر حاضر کا انسان تو زندگی کے تمام میدانوں میں تہذیب و ٹکنالوجی کے الگ الگ طریقوں کے ذریعہ زبردست ترقیاں حاصل کر رہا ہے، اور ان کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے، گویا کہ وہ سائنس جو ایک مدت سے لوگوں کے سامنے خوش اسلوبی کے ساتھ پوری انسانی دنیا کو ایک محلّہ کی صورت میں پیش کرنے کا نظریہ پیش کر رہی تھی، آج وہ متحقق ہوگئی، اس میں علم اور جدید ذرائع ابلاغ کے متعدد وسایل ایجاد ہوگئے، جو تمام سیاسی اور جغرافیائی حدود پر غالب آچکے ہیں، اور ہر انسان کی وسعت میں ہے کہ وہ ان انقلابی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دنیا کے کسی بھی خطہ کے سیاسی و جغرافیائی حدود میں چلا جائے، کیونکہ یہ ذرائع و ابلاغ زبردست ٹیکنالوجی اور اثرات اپنے اندر رکھتے ہیں، جن کے ذریعہ مسافتیں سمٹ گئی ہیں اور دوریاں نزدیکیوں میں تبدیل ہوگئی ہیں، جو گزشتہ زمانوں میں انسانی طاقت میں نہیں تھا، اور اس کے لیے انسان کو لامتناہی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، لیکن آج ٹکنالوجی کی وجہ سے انسان دوسرے انسان کے دل کی دھڑکن کو سن سکتا ہے، قدیم زمانہ میں ایک عربی شاعر نے کہا تھا:

دقات قلب المرء قائلة لـه
إن الحياة دقائق و ثوان

(انسان کے دل کی دھڑکنیں اس سے کہتی ہیں کہ زندگی چند منٹوں اور چند سکنڈوں کا نام ہے)۔

آج کے زمانے میں اگرچہ لمبی مسافتیں قریب ہوگئیں ہیں، اور ہر شخص دوسرے شخص سے سکنڈوں میں رابطہ کر سکتا ہے اور تمام براعظموں کے حدود کو پار کر سکتا ہے، لیکن حیف صد حیف کہ دل منجمد ہوگئے ہیں، گویا کہ وہ جسم کے تمام اجزاء میں خون دوڑانے والا اصل محرک ہی نہیں، بڑے بڑے شہروں میں ایک ہی بلڈنگ میں رہنے والوں کے درمیان باہمی تعارف نہیں ہوتا، زیریں منزل میں رہنے والے کو یہ بھنک تک نہیں ہوتی ہے کہ درمیانی منزل میں کون رہتا ہے، اور اس بلڈنگ میں ایک ہی دروازہ سے کون داخل ہوتا ہے، یہ ہے متمدن و مہذب دنیا کا ایک چہرہ، ایک انسان دوسرے انسان سے اجنبیت محسوس کر رہا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں خالق ارض وسماء نے فرمایا ہے: "أُولَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُـمْ أَضَلُّ ، أُولَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" [الاعراف: ۱۷۹] (یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں، یہی تو غافل ہیں)۔

انسان کی تخلیق اور اس کا فرض منصبی

قدیم ادیان و مذاہب اور قدیم تہذیبوں میں انسان محبت و اخوت کی نعمت سے محروم ہو کر زندگی گزارتا تھا، اس کی زندگی باہمی آویزش کا نمونہ تھی، اختلاف وانتشار، کشت و خون کی گرم بازاری، داخلی عصبیت اس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، اس رجحان کو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی محسوس کر لیا تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے اندیشوں کو رب العالمین کے سامنے ظاہر کیا تھا، اور جب رب العالمین نے ان کو یہ خبر دی کہ وہ زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا ہے، تو بلاتأمل ان کا جواب یہ تھا: "أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" [البقرة: ۳۰] (کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا درآنحالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں)، چونکہ اللہ کی مشیت و حکمت ان سے مخفی تھی، اس لیے اللہ نے فرمایا: "إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ" [البقرة: ۳۰] (یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)، یقیناً حضرت آدمؑ کا روئے زمین پر اتارا جانا، روئے زمین پر اولاد آدم کے وجود کا باعث تھا، اور نسل انسانی میں اضافہ کا سبب تھا، پھر رضائے الٰہی کی بنا پر ان کے اچھے اور برے اعمال کا امتحان لینا تھا، اور طاعت

ومعصیت ، اور ایمان وکفر کے ذریعہ ان کی آزمائش مطلوب تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:"فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ، الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" [البقرۃ:۳۸،۳۹] (توجو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا،سو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے، اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں ، اور اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے)۔

دو انسانی گروہ

اسی بنا پر انسانی دنیا دو مقابل گروہوں میں منقسم ہوگئی ہے: ایک گروہ آسمانی ہدایات کی اتباع کرنے والوں کا ہے، اور دوسرا گروہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے ، اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا ہے، تہذیبی ترقیاں یا صنعتی پیش قدمیاں ہدایت ومعاصی کے راستوں کو جاننے ، اور ان کے درمیان فرق کرنے سے مانع نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ سائنسی ترقیاں، زبردست پیش رفت اور تمدنی ایجادات اللہ پر ایمان کو مضبوط کرنے والی ہیں، اس کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوجائے گا کہ آسمانوں وزمینوں کو پیدا کرنا، صنف انسانی کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑی چیز ہے:"لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ، وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" [غافر:۵۷] (آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے یقیناً بڑھ کر کام ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے)۔

عصر حاضر میں خیر وشر کے پیمانے بدل گئے ہیں، لوگ اپنی خواہشوں کے مطابق بہت سارے گروہوں اور مختلف جماعتوں میں بٹ گئے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو موجودہ تہذیبی وتکنیکی ترقی کے نام پر اس رائے پر قائم ہیں کہ گزشتہ زمانوں میں لوگوں کو مطلق آزادی کے طریقوں کی اطلاع نہیں تھی، جب کہ موجودہ تہذیب وترقی میں انسان کسی بھی غیر فطری عمل کو اس دلیل کے ساتھ انجام دیتا ہے کہ یہ انسان کا فطری حق ہے، اور انسان دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ وہ نام نہاد شریعتوں ، مٹ جانے والے مذاہب ، اور انسانی سوسائٹی پر نافذ ہونے والے قوانین کی قید سے آزاد ہوکر دنیا کو ہر اعتبار سے ترقی کی شاہ راہ پر لے آئے، اور ایسے قوانین کی زنجیروں سے انسان کو آزاد کرائے جو روایتی خواہشوں کا پابند بناتے ہیں، اور ایسے قوانین سے بھی ، جن کو لوگوں نے اندھیروں میں رہنے والی، ان پڑھ سماج سے حاصل کیا تھا، اسی بنیاد پر آج شہروں، گاؤوں اور دیہاتوں میں نفسیاتی و جنسی آزادی کے رجحانات عام ہورہے ہیں، اور لوگوں کا اس کائنات کے خالق سے تعلق کمزور ہوتا جارہا ہے، آج انہیں سب سے زیادہ ضرورت تزکیہ نفس، کتاب وحکمت کی تعلیم ، اور لوگوں کو گمراہیوں، جہالت وخرافات کی تاریکیوں سے نکال کر علم وحکمت کی کھلی فضا کی طرف لانے کی ہے، اور یہ کام عہد رسالت ہی سے بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے، اور اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ منقطع کردیا ، اس لیے قیامت تک کسی دوسری بعثت کی ضرورت باقی نہ رہی ، اور دین مکمل ہو چکا ہے، اور نعمتیں تمام ہوچکی ہیں، اور امن وسلامتی کے نور نے انسانی دنیا کو ڈھانپ لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بانگ دہل یہ اعلان کردیا کہ:"اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" [المائدۃ:۳] (آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کرلیا)۔

تجدد پسند طبقہ اور اس کی اسلام بیزاری

لیکن اطاعت وفرمانبرداری سے منہ موڑنے والے، اور فکری اور اعتقادی یا رتداد کے شکار افراد کو رب العالمین کا دین کو مکمل کرنا، اور اس کا نعمتوں کو پورا کرنا اچھا نہ لگا، وہ اس کی مخالفت کرنے لگے، اور اس عظیم نعمت کے خلاف بغاوت وسرکشی کا پرچم لہرایا اور انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کی بے راہ روی اور بڑھ گئی، اور جدیدیت کے نام سے ان کے اتباع نفس اضافہ ہوتا گیا، اور انھوں نے اس گھناؤنی حرکت کو پیش کرنے کے لیے پرکشش آلات و سائل ایجاد کرلیے، جن کو ذریعہ بہت آسانی کے ساتھ لوگوں کے ذہنوں کو زہر آلود کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی معاشرہ فسادزدہ ہوگیا، اور اس میں ایسی نسل تیار ہوگئی جو خود مغربیت کی ترجمان اور ان کے علمبردار قرار پائی۔

یہ طبقہ انسانی سوسائٹی میں فساد وبگاڑ کا ایک بڑا وسیلہ اور تخریب کاری کا ایک ذریعہ ہے، اس طبقہ کے دام فریب میں آنے والے وہ مہاجر مسلمان ہیں، جو اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے مغربی ممالک میں رہ رہے ہیں، ان کی اولاد بھی بغیر کسی تعمیری ہدف نئے وسائل کے استعمال کی عادی ہوگئی ہے، چنانچہ یہ نوجوان طبقہ میڈیا کے ذریعہ ہر اچھے برے کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے، اور کبھی کبھی اس کے ذریعہ جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، اور کائنات کے وجود کو نشانہ بناتا ہے ، اور ان تاریخی کارناموں ، اور ان عظیم انسانی اقدار کو منہدم کرتا ہے، اور آج صورت حال یہ ہے کہ اس تخریب کار میڈیا میں ہمارے نیک نوجوان

مشغول ہوگئے ہیں، اور مختلف جرائم کی گندگیوں نے ان کو قعر مذلت میں گرادیا، یہاں تک کہ آسانی اور سلامتی کے ساتھ ان سے نکلنا ناممکن ہوگیا۔

یہ نوجوان طبقہ اس میڈیا کو صرف علمی اور تکنیکی معلومات حاصل کرنے کا ایک آسان ذریعہ، عالمی خبروں سے مطلع ہونے اور اس سے استفادہ کرنے کی ایک چیز، موجودہ سماج کے آراء وافکار، اوراسلوب زندگی میں واقع ہونے والی مختلف تبدیلیوں کو جاننے کا ایک وسیلہ سمجھنے ہی پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ جدید وروایتی ٹکنالوجی کے ذریعہ ایسے مناظر اور ڈرامے دیکھتا ہے، جو بے حیائی سے بھرے ہوتے ہیں اور جس سے پاک صاف انسانی دنیا کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، اور میڈیا کا استعمال (زیادہ تر) کمپیوٹر کے ذریعہ ہوتا ہے، جس نے جدید میڈیا کے مختلف ومتعدد تخریبی اور تعمیری مواد کو پھیلانے میں کلیدی رول ادا کیا ہے، اور موجودہ دور میں جس کی نافعیت سے زیادہ اس کا نقصان معلوم ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بادروا بالأعمال الصالحة، فستكون فتن كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمناً ويمسي كافراً، ويمسي مؤمناً ويصبح كافراً، يبيع دينه بعرض من الدنيا" (نیک اعمال کی طرف جلدی کرو، عنقریب تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے، صبح کے وقت انسان مؤمن رہے گا اور شام کو کافر ہوجائے گا، اور شام کو مؤمن ہوگا، صبح کو کافر ہوجائے گا، دنیا کی حقیر چیز کے بدلے اپنے دین کو بیچ دے گا۔

[ترجمانی: شائق علی داور]

☆☆☆☆☆

فریضۂ دعوت وتبلیغ کے تئیں مجرمانہ غفلت

مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

دعوت وتبلیغ کا دوسرا اہم میدان غیر مسلموں میں ہے، ملت اسلامیہ کے ہر فرد پر چاہے وہ کسی بھی حیثیت، عمر وصلاحیت کا ہو، امر بالمعروف اور ابلاغِ حق کی ذمہ داری ہے، اس ملک میں ہزار سال سے ہم رہ بس رہے ہیں، قیامت کے دن ہمارے پاس اپنے برادران وطن کے تعلق سے اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ کیا تم نے دین حق ان لوگوں تک پہنچایا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لیے جس دل سوزی، محنت اور خلوص کے ساتھ منظم جدوجہد کی ضرورت تھی، اس میں ہمارے سلاطین، امراء، عوام وخواص، (باستثناء چند) مجرمانہ حد تک غفلت برتتے رہے، کم وبیش یہی حال پوری مسلم دنیا کا تھا۔

☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

مکتوبات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جلد اول -- تا -- سوم

مرتب: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

مکمل صفحات: ۱۲۵۰ — قیمت: ۹۰۰/روپے

سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ

مؤلف: مولانا سید محمود حسنی ندوی

صفحات: ۵۵۰ — قیمت: ۴۵۰/روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

فکر معاصر

پرانے شکاری نئے بھیس میں

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

دینی مدارس کے خلاف عالمی مہم حقیقت میں وہی پرانا ہتھکنڈہ ہے جسے مغرب نے یورپین سامراج پھیلنے سے پہلے آزمایا تھا یہ کوششیں مغرب کے غلط اندازے، غلط فہمی، حقیقت سے عدم واقفیت اور حقائق سے چشم پوشی پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے کہ مغربی تسلط سے نجات پانے کی تحریکیں فطری ہیں، اور یہ خود مغربی نظام تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں کیونکہ مغرب کی تعلیمی فکر کی بنیاد آزادی ہے اور آزادی مغربی تہذیب کا پہلا نشانہ ہے چنانچہ آزادی پسند تحریکوں کو دہشت گرد گردانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

نصاب تعلیم میں تبدیلی کا مطالبہ، درسی کتب سے غلامی کے خلاف جدوجہد سے متعلق مواد کو حذف کرنے کا مطالبہ، اجنبی اقدار وروایات کی تطبیق کا مطالبہ اور قومی تشخص کے رموز مٹا دینے کا مطالبہ یہ سارے مطالبات وہی پرانی کوششیں ہیں جو انیسویں صدی میں سامراج کی تھیں، ان پرانی کوششوں اور نظام تعلیم وتربیت بدل دینے کی موجودہ عالمی کوششوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اسلامی مدارس کے خلاف موجودہ عالمی مہم دو سو سال پرانے فارمولہ کا اعادہ اور تکرار ہے یہ مہم ظالمانہ اور استعماری کوشش ہے جو قومی بالادستی اور آزادی کے تصور کے منافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی فسطائی قوتوں نے تاریخ ساز صلیبی جنگ میں ناکام اور نامراد ٹھہرنے کے بعد اپنے عزائم اور منصوبوں کو روبہ عمل لانے کے لیے اب اپنی تمام تر توجہ تعلیم وتربیت کی طرف مرکوز کردی ہے۔ اسلام اور اس کی لازوال تاریخ، تہذیب وتمدن اور ثقافت کو نقشۂ عالم سے مٹانے کے لئے تعلیم کو آلۂ کار اور حربہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کا سرچشمہ دین ومذہب اور عقیدے سے رشتہ کٹ جائے، اس کے لیے بڑے پیمانے پر اسلامی موضوعات پر تالیفات و تصنیفات کے کام انجام پائے۔ ان میں ایسے پراگندہ، مسموم اور موہوم خیالات پیش کیے گئے جو اسلام اور مسلمانوں کے تصور سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہیں، مستشرقین نے اپنے ان مسموم خیالات کا پودا یورپی تعلیمی اداروں کے طلباء کے ذہن میں بھی لگانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، جن کا جال پورے اسلامی ممالک میں پھیلا ہوا ہے اور جس کی طرف ممالک اسلامیہ کے چپہ چپہ سے مسلم اسکالرس ٹوٹے پڑرہے ہیں، مغربی مفکرین کی اس جدوجہد کا واحد مقصد اسلام کو دہشت پسند قرار دینا اور یہ باور کرانا تھا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، گویا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا کام بہت پہلے سے ہوتا آرہا ہے اور آج کی صورت حال بھی کوئی زیادہ مختلف نہیں ہے، ان کی جو تصنیفات وتالیفات یورپی زبانوں میں وجود میں آئیں، انھوں نے مغربی اداروں اور پڑھے لکھے طبقے میں خاصی مقبولیت حاصل کی اور انگریزی کا بہتر رول ادا کیا، ان افراد کے زیر تربیت جو نسل پروان چڑھی اس نے اسلامی ممالک میں استعماری طاقتوں کے بعد سیاسی اور فکری سیادت وقیادت کی زمام سنبھالی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے اپنے ممالک کے ایجنڈے انہی اقتباسات کی روشنی میں تیار کیے جو مغربی قلمکاروں کی تصنیفات سے اخذ کر رکھے تھے۔

اس حقیقت کا اعتراف خود بہت سے مغربی مفکرین نے واضح طور پر کیا ہے اور یہاں تک کہا کہ تعلیمی حملہ میں جو ہمیں کامیابی ملی ہے وہ صلیبی جنگ میں نہیں ملی۔

H.I.R Gibb نامی مستشرق نے مدارس کے کردار کے اعتراف میں کہا ہے کہ ”ان مشنریوں کے تحت چل رہے تعلیمی اداروں نے طلباء کے اخلاق وعادات، افکار وخیالات پر مسیحی رنگ چڑھانے کا کامیاب تجربہ پیش کیا ہے، ان اداروں نے انہیں یورپی زبان سیکھنے میں بڑی مدد کی، جس کے نتیجے میں مغربی افکار اور اس کے کلچر سے بڑی حد تک ہم آہنگ ہوگئے، یہ چیزیں ان کی روزمرہ کی زندگی میں بھی سرایت کرگئیں“۔

وہ مزید کہتا ہے: ”ہمارے قائم کیے ہوئے اسکولوں نے اور فنی اداروں نے انہیں لادینیت اور الحاد پر لاکھڑا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے“۔

اسی طرح S.M. Zweimer نامی مستشرق کہتا ہے: ”استعماری سیاسی طاقت تقریباً نصف صدی تک اسکولوں میں پرائمری

درجات کے نصاب تعلیم پر کام کرتی رہی، حتیٰ کہ وہ نصاب تعلیم سے قرآن پھر تاریخ اسلام کو نکالنے میں کامیاب ہوگئی، پھر اسکولوں سے ایسی نسل تیار ہوئی جو مادیت کی خوگر تھی، اپنے دین و مذہب پر اعتماد کھو چکی تھی، اور اس کے دل میں اپنے دین ومذہب کے لیے عظمت واحترام کا کوئی گوشہ باقی رہا اور نہ اپنے مادر وطن کی محبت اور نہ آزادی کی کوئی فکر۔

چنانچہ یورپ نے جنگ کی ٹریجڈی کو چھوڑ کر تعلیم وتربیت کے میدان کو آلۂ حرب بنایا، خیال ظاہر کیا کہ کم ازکم اس کے ذریعہ جہاد کی سلگتی چنگاری کو بجھا دیا جائے اور مسلمانوں میں اسلامی جذبہ کی جلتی لو مدھم کردی جائے، ان عزائم کے پیش نظر وسیع پیمانے پر ممالک اسلامیہ میں مشنری اداروں کا جال بچھایا گیا، یہ وہ دور تھا کہ جب مسلمان حکمراں طبقہ تعلیم وتربیت کے میدان سے پوری طرح غافل تھا، اسلامی سلطنتوں کے زوال کے بعد استعماری طاقتوں نے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی، طاقت کے بل پر من مانی حکمرانی کا دور آیا، زبانیں مٹائی جانے لگیں، تہذیب وثقافت میں غیر اسلامی راہ رسم کی آمیزش ہوئی، ایجنڈے بدل دیے گئے، ان تمام تبدیلیوں اور آمیزشوں کے بعد ایک نئے استعماری ملک کا قیام وجود میں آیا، یہ کام ایسے افراد کے تعاون سے انجام پایا، جو مغربی افکار و خیالات کے نہ صرف حامل تھے بلکہ انھی کی درسگاہوں کے تربیت یافتہ تھے، ان پر مغربیت کا گہرا رنگ چڑھا تھا، اور وہ کھل کر اسی کی زبان بولنے اور لکھنے لگے۔

☆☆☆☆☆

صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) دین کے بقاء وتسلسل کی اساس ہیں

''دین کے تحفظ وبقاء اور اسکی نشر واشاعت میں صحابہ کرامؓ کا عظیم کردار''

کے عنوان پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تحریری انعامی مسابقہ وجلسۂ تقسیم انعامات

مورخہ ۸؍جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ/۳؍فروری ۲۰۲۰ء بروز دوشنبہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جمالیہ ہال میں ''دین کے بقاء وتحفظ اور اسکی نشر واشاعت میں صحابہ کرامؓ کا عظیم کردار'' کے موضوع پر منعقد تحریری انعامی مسابقہ میں شریک مقالہ نگاروں کے درمیان جلسہ تقسیم انعامات زیر صدارت عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری منعقد کیا گیا، مولانا نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے تحفظ اور بقاء واشاعت کے لیے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی عظیم جماعت کو برپا کیا، اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا، جس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کا حسین گلدستہ تیار ہوا، بعد کی نسلوں میں دین کی اشاعت اور دین کا صحیح فہم انہیں کے ذریعہ منتقل ہوا، صحابہ کرام دین اسلام کے بقاء اور تسلسل کی بنیادی کڑی اور اساس ہیں، اس اساس کو کسی بھی طرح کمزور کرنا دین اسلام کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہے، دشمنانِ اسلام نے ہر دور میں اس اساس کو مشکوک یا کمزور کرنے کی کوشش کی، ماضی قریب میں مستشرقین نے طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگا کر صحابہ کرامؓ کی شبیہ کو داغدار کرنے کی کوشش کی، جس کا جواب ندوۃ العلماء کے بانیوں اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغین نے ہمیشہ اپنی زبان اور قلم سے دیا، اور تاریخ اسلام کے اس ہراول دستہ کے عظیم کردار کو دلائل کی روشنی میں پیش کیا، صحابہ کرامؓ کے موضوع پر یہ منفرد مسابقہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، تاکہ نسل نو صحابہ کرامؓ کی عظیم خدمات سے واقف ہو، اور ان کے نقش قدم پر چلے، اور ان کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کا جواب دے سکے''۔

اس موقع پر عمید کلیۃ الدعوۃ والاعلام مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی نے صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبہ اور ان کی قربانیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو بنیاد قرار دے کر بعد کی نسلوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے، صحابہ کی جماعت اور ان کے منہج کو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے آئیڈیل قرار دیا ہے، اور ان کے راستہ سے انحراف کو تباہی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرامؓ سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا ہے، عہد نبوت میں صحابہ کرامؓ کے جو حالات ہیں وہ دراصل دین کی تعلیمات کی تشریح اور تطبیق کے لیے برپا کیے گئے ہیں، تاکہ دین کا کامل نمونہ بنی نوع انسان کے سامنے آسکے، اس لیے کسی واقعہ یا مسئلہ کو بنیاد بنا کر ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا''۔

وکیل کلیۃ اللغۃ العربیۃ مولانا محمد علاء الدین ندوی نے مسابقہ میں شریک مقالات کے اسلوب ومواد پر روشنی ڈالی، اور طلبہ کو بتایا کہ: ''صحابہ کرامؓ کا اصل مشن دعوت تھا، جس کو لے کر وہ جزیرۃ العرب سے نکلے، اور ایک صدی سے بھی کم مدت میں ایک طرف جبل طارق تو دوسری طرف سندھ تک پہنچ گئے۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ دعوت ہی میں تمام تر مشکلات ومصائب سے حفاظت کا راز مضمر ہے، اس لیے طلبہ کو چاہیے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے نمونوں کو اپنے کردار میں سموئیں اور دعوت کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں''۔

''دین کے بقاء وتحفظ اور اس کی نشر واشاعت میں صحابہ کرام کا عظیم کردار'' کے موضوع پر منعقد اس مسابقہ میں تقریباً انچاس مقالہ نگاروں نے شرکت کی۔ اول عمیر خان، دوم حیدر حسین اور سوم محمد اکرام الحق محمد عقیل ودیگر کامیابی حاصل کرنے والوں کو بالترتیب دس ہزار، سات ہزار اور پانچ ہزار، اور تمام شرکاء کو بھی ایک ہزار نقد، اور ایک عدد شال نیز بطور تشجیعی انعام متعدد قیمتی کتابیں دی گئیں۔ ☆☆☆

تاریخ و جائزہ

عورت دیگر اقوام و مذاہب میں

مولانا محمد برہان الدین سنبھلیؒ

قوانین اسلام میں عورتوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں ،ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہو سکے گا جب اسلام کے علاوہ دیگر مذہبی، ملکی، قومی قوانین سے آگہی ہو، اور دونوں کے درمیان موازنہ کیا جائے، جیسا کہ روشنی کی صحیح قدر اسے ہو سکتی ہے جسے تاریکی سے واسطہ پڑا ہو، یا غذا کی افادیت کا اندازہ حقیقتاً وہی صحیح لگا سکتا ہے جو بھوک اور فاقہ کا شکار رہا ہو، اس لیے پہلے ہلکی سی جھلک غیر اسلامی نظام و قوانین کی دکھانا، نیز جاہلیت کے ان طریقوں کا ذکر کرنا مناسب لگتا ہے جو عورتوں کے بارے میں دنیا بھر میں رائج تھے۔

رومن قانون

ہم یہاں سب سے پہلے رومن قانون کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جسے عام طور پر قوانین کا جنم داتا اور انسانیت کا رکھوالا اور انصاف کا نمائندہ باور کیا اور کرایا جاتا ہے، اور جو عرصۂ دراز تک سارے مغرب، اور خاص طور پر یورپ میں، دستوری حکمرانی کرتا رہا ہے۔اس قانون میں کنبہ کے سربراہ کو کنبہ کے بقیہ افراد پر خواہ وہ بیوی ہو یا بہو، بیٹے بیٹی ہوں یا پوتے پوتی، خرید و فروخت کرنے، ہر طرح کی ایذائیں دینے حتی کہ قتل کرنے کا بھی اختیار تھا، نیز بیوی کو ترکہ سے محروم رکھنے کا بھی اسے حق حاصل تھا، لڑکیاں حق ملکیت نہیں رکھتی تھیں اور اپنے باپ کے ترکہ سے بھی محروم رکھی جاتی تھیں۔

[دیکھئے المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۱۵، ۱۶، از: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی]۔

یونانی قانون

یونانی قانون میں عورت کی حیثیت معمولی سامان کی سی تھی، جس کی بازار میں آزادانہ خرید و فروخت ہوتی، اسے نہ شہری حقوق حاصل تھے نہ آزادی، میراث بھی نہیں دی جاتی تھی، اسے ناپاک سمجھا جاتا تھا، پوری زندگی وہ کسی نہ کسی مرد کے شکنجے میں گرفتارِ بلا رہتی، شادی سے قبل سرپرست کے اور شادی کے بعد شوہر کے پنجۂ استبداد میں رہتی، نہ اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتی تھی، نہ جان میں، باپ اپنی بیٹی کو فروخت کرتا تھا، اور ہونے والا شوہر اسے خریدتا تھا، اس کے بعد شوہر کو پورا اختیار ہوتا تھا کہ اسے چاہے اپنی زوجیت میں رکھے یا کسی اور کو سونپ دے، اور بری الذمہ ہو جائے۔

[مدی جریۃ الزوجین، ص: ۲۷، از ڈاکٹر عبدالرحمٰن صابونی]

مسیحی مذہب

جسے دنیا کے مہذب ترین کہلانے والے ملکوں میں سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے، اس کا حال اور اس کا ریکارڈ تو عورت کے بارے میں سب سے گیا گزرا ہے، اس بارے میں غیر عیسائیوں نے نہیں خود عیسائیوں نے جو تفصیلات بتائی ہیں وہ عبرت کے لیے کافی ہیں، مثلاً ایک مشہور عیسائی فلسفی ہربرٹ سپنسر کہتا ہے: ”گیارہویں اور پندرہویں صدی (بعثت محمدیؐ کے کوئی آٹھ سو سال بعد تک) انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں، عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کسی دوسرے کو، جتنی مدت کے لیے چاہے، عاریۃً بھی دے سکتا ہے۔ان میں سب سے زیادہ شرمناک یہ رواج تھا (جسے ایک طرح سے قانون کا درجہ حاصل تھا) کسی کسان کی نئی نویلی دلہن کو مذہبی پیشوا یا حاکم کو چوبیس گھنٹے تک اپنے تصرف میں رکھنے اور اس کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل تھا۔[المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۲۱۱]

اور تو اور سولہویں صدی (۱۵۶۷ء) میں بعثت نبویؐ سے تقریباً ایک ہزار سال بعد اسکاٹ لینڈ کی پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورت کو کسی بھی چیز کی ملکیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور ان سب سے زیادہ تعجب خیز قانون انگلستان کی پارلیمنٹ نے منظور کیا جس میں عورت کے لیے انجیل پڑھنا حرام قرار دیا۔

[المرأة بين الفقه والقانون، ص: ۲۱۱]

اس قانون کا تذکرہ کرنے کے بعد ڈاکٹر سباعی صاحب نے - بجا طور پر تقابل کرتے ہوئے- لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں قرآن کو یکجا کر کے ایک مصحف تیار کیا تو وہ حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ کیا گیا، ظاہر ہے کہ وہ خاتون تھیں۔ سب سے بڑھ کر عجیب تر یہ انکشاف ہے کہ ۱۸۰۵ء تک انگلستانی قانون کی رو سے شوہر بیوی کو فروخت

کرنے کا پورا اختیار رکھتا اور اس کی قیمت بھی قانوناً مقرر کی گئی تھی، وہ اتنی حقیر تھی کہ اس کا ذکر باعث شرم ہے، یعنی صرف چھ پنس (تقریباً آج کے دور وپیہ ہندوستانی)۔

[المرأۃ بین الفقہ والقانون، ص:۲۱]

اس کے ساتھ ایک اور مسیحی یورپی ملک فرانس میں ایک کانفرنس کا حال یارو ئنداد دل پر پتھر رکھ کر سن لیجیے جس میں اس بات پر بحث ومباحثہ ہوا کہ عورت انسان ہے یا جانور کی کوئی قسم؟ اگرچہ آخر میں طے یہ پایا کہ وہ ہے انسان ہی۔

[معارف القرآن، ج۱، ص:۵۴۹، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ]

علاوہ ازیں مسیحی مذہبی قانون کی رو سے عورت ترکہ سے بہر صورت محروم رہتی تھی، بلکہ اکثر اولاد بھی صرف بڑا لڑکا ہی (ترکہ پانے کا) استحقاق رکھتا تھا۔

یہودی مذہب

موجودہ یہودی مذہب (جو ظاہر ہے کہ محرف شکل میں ہے) میں عورتیں ترکہ کا استحقاق قطعاً نہیں رکھتی تھیں، چاہے بیوی ہو، بیٹی ہو، یا ماں، بہن، البتہ بڑا لڑکا چھوٹے کے مقابلہ میں دوہرا حصہ اپنے باپ کے ترکہ میں سے پاتا ہے۔

[الترکۃ والمیراث، ص:۴۱، ۴۲]

ہندودھرم

ہندو مذہب کی مشہور کتاب ''منوسمرتی'' (اردو ترجمہ شائع کردہ، بھائی تارا چند چھبر بک سیلر لاہوری گیٹ، لاہور) سے براہ راست کچھ دفعات نقل کیے جاتے ہیں، جس سے ہندو مذہب میں رشتۂ ازدواج اور عورت کی حیثیت سے متعلق بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۲- ''رات، دن، عورت کو پتی کے ذریعہ بے اختیار رکھنا چاہیے''

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۵۸- ''اگر اولاد نہ ہو تو اپنے خاندان سے اجازت لے کر مالک کے (شوہر، عام طور پر شوہر کے لیے لفظ مالک کا استعمال ملتا ہے، اس سے بھی عورت اور شوہر کی صحیح حیثیت کا پتہ لگانا آسان ہوجاتا ہے کہ ہندوؤں میں کیا تھی؟) خاندان کے رشتہ دار یا دیور سے اولاد پیدا کرے۔

منوسمرتی ادھیائے ۹ سلسلہ ۱۱۹- چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی زوجہ میں بیٹا پیدا کرے تو اس بیٹے کے ساتھ چاچا لوگ برابر تقسیم حصہ کریں۔

[منوسمرتی، ص:۱۸۲، اردو ترجمہ شائع کردہ: بھائی تارا چند چھبر بک سیلر لاہوری گیٹ، لاہور]

ہندو مذہب میں شادی (وِواہ) کے علاوہ بھی ایک اور عقد جائز تسلیم کیا گیا جسے ''نیوگ'' کہتے ہیں، اس میں شادی شدہ عورت سے بھی دوسرا شخص کچھ مدت کے لیے نکاح کرسکتا ہے، اس طریقہ سے پیدا ہونے والی اولاد اصلی شوہر کی ہی سمجھی جاتی ہے، اور یہ دوسرے قسم کا نکاح (نیوگ) دس مردوں سے بھی ہوسکتا ہے۔

[تفصیل کے لیے دیکھئے: سوامی دیانند سرسوتی کے لکچروں کا مجموعہ ''اپدیشن منجری، ج: ۱۰۷، شائع کردہ: سکریٹری آریہ منڈل کیرانہ]

ہندو مذہب کے قانونِ وراثت میں عورتیں ترکہ میں حقدار نہیں ہوتیں اور بڑے بیٹے کے علاوہ بقیہ لڑکے بھی باپ کے ترکہ سے محروم ہوجاتے ہیں، جیسا کہ منوسمرتی میں ہے ''ماں اور باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا ہی لیوے''۔

[منوسمرتی، اردو ترجمہ، ص:۱۸۱]

عرب کا زمانۂ جاہلیت

قبل از اسلام عربوں میں عورت کی جو حالت زار تھی اس سے تو کم وبیش اکثر اہل علم واقف ہی ہیں کہ لڑکی کی پیدائش ہی سخت عار کی بات سمجھی جاتی اور اس داغ کو مٹانے کے لیے اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا، جس کا قرآن مجید میں بھی بڑے بلیغ انداز میں تذکرہ ہے۔ سورۃ النحل آیت ۵۸ میں ہے:

''وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ''.

ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارے دن ان کا چہرہ بے رونق رہے، اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے، اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے، آیا اس کو ذلت پر لیے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سن لو، ان کی یہ تجویز بہت بری ہے۔ [ترجمہ تھانویؒ]

عورت کو، وہ چاہے بالغ ہی ہو، اپنا نکاح خود کرنے کا اختیار نہیں تھا، بلکہ اس کا ولی جس سے چاہے اس کی مرضی کے بغیر بھی نکاح کرسکتا تھا، پھر بیوی کی حیثیت بالکل باندی کی سی تھی جو صرف شوہر کی جنسی خواہش بلکہ ہوس کا شکار بننے کے سوا اور کوئی حق نہیں رکھتی تھی، بیوہ ہوجاتی تو اس کے شوہر کے ورثہ اس کے ساتھ مرنے والے کے ترکہ کا سا معاملہ کرتے، یعنی چاہے اپنے پاس رکھتے یا دوسرے سے نکاح کردیتے، اسے شوہر کے ترکہ میں سے کچھ بھی نہ دیتے کیوں کہ ترکہ کا استحقاق رجولیت (مرد ہونے) اور قوت پر تھا،

اس بناء پر کم عمر کے لڑکے بھی ترکہ سے محروم رکھے جاتے اور لڑکیاں تو سب ہی محروم رہتیں، ان باتوں کی تفصیل بکثرت کتب حدیث وتفسیر وفقہ میں ملتی ہے، یہاں چند حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔(کچھ اوپر بھی گزر چکی ہے)

ابوعبداللہ الانصاری القرطبی(وفات ۶۷۱ھ) اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھتے ہیں "وكانت الوراثة في الجاهلية بالرجولية والقوة".

[ج ۵،ص:۷۹،دارالکتاب العربی ۱۳۸۷ھ]

اورامام ابوبکرجصاص الرازی(وفات ۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں لکھا ہے "فلم يكونوا يورثون الصغار ولاالاناث وانما يورثون من قاتل على الفرس وحازالغنيمة" (ج ۲،ص:۷۵،دارالکتاب العربی بیروت) ان عربی عبارتوں کا مفہوم وہی ہے جواوپر بیان ہوا ہے۔

امام التفسیر ابن جریر طبری(وفات ۳۱۰ھ) نے آیت میراث کا شانِ نزول بتاتے ہوئے ذکر کیا ہے "يارسول الله توفي زوجي وتركني وابنته فلم نورث فقال عم ولدها يارسول الله لاتركب فرساً ولاتحمل كلاً ولاتنكي عدواً".

[ج ۴،ص:۲۶۳،مصطفی البابی الحلبی،مصر]

بالعموم بڑا لڑکا ہی ترکہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اسی اصول کی بناپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ترکہ صرف حضرت ابوطالب کوملا۔

[شرح مسلم نووی، ج ۲،ص:۴۳۶]

☆☆☆☆☆

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

ہم نے حکومت پر نظر ڈالی، کلکٹروں اور مجسٹریٹوں اور پولیس کے آدمیوں تک سے امید لگائی، ہم نے اکثریت کی طرف بھی ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا، اور فرقہ پرست جماعتوں کے نعروں سے خوف زدہ بھی ہوئے، کبھی اپنے پڑوسی ملک کی طرف دیکھا، اور کبھی ہم نے ہندوؤں کے صاف دل اور انصاف پسند طبقہ سے آس لگائی، کبھی دستور ہند کی ضمانت چاہی اور اس کی دفعات کے گن گائے اور کبھی اس سے بھی زیادہ بے حقیقت اور کمزور واسطوں کا سہارا لیا، لیکن کیا کبھی ہم نے کتاب اللہ کی بھی ضمانت چاہی، کبھی ہم نے اپنے عمل سے اس کا بھی مظاہرہ کیا کہ ہم اس ملک میں خدا کے پیغام کو پھیلانے اور اس کے دین کی اشاعت وتبلیغ کے لیے بستے ہیں اور پوری روئے زمین اور اس سرزمین پر اس لحاظ سے ہمارا سب سے بڑا حق ہے اور وہ حق اور طاقت خدا کی طرف سے ملے گی، کسی جماعت یا کسی حکومت کی طرف سے نہیں، کیا ہم نے خدا پر اتنا بھی اعتماد کیا جتنا اعتماد ہم اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں اور اس کے پیدا کردہ وسائل وذرائع پر کرتے ہیں۔

ہم بہت بلند آواز اور بہت بے خوفی کے ساتھ پبلک میں کہتے ہیں کہ ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت، دستور ہند میں سب کو برابر حقوق دیے گئے ہیں اور ہم بھی اس میں پورے حصہ دار ہیں لیکن کتنی بار اور کتنے پبلک جلسوں اور کتنی تقریروں میں ہم نے یہ کہا کہ کتاب اللہ نے ہم کو یہ حقوق دیے ہیں اور ان کو دنیا کی کوئی طاقت چھین نہیں سکتی، اس کی وجہ صرف ہمارے دل کا چور ہے، ہماری وہ بنیاد ہی بے حد کمزور ہے جس پر ان حقوق کی ضمانت کی گئی ہے، وہ بنیاد ہے خدا کے وعدوں پر سچا یقین، خدا پر مکمل اعتماد اور بھروسہ، خدا کے راستہ میں جان ومال کی قربانی کا جذبہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کی مکمل پیروی واطاعت کا فیصلہ!

اس لحاظ سے دیکھئے تو صاف نظر آئے گا کہ ہم ان شرطوں میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں کر رہے ہیں جن پر امن واطمینان اور عزت وبلندی کی ضمانت ہے، جہاں تک خدا کے وعدوں پر سچے یقین اور خدا پر مکمل اعتماد کا تعلق ہے، اس کا حال ہم سب کو خوب معلوم ہے، چار چھ آنے کے نسخے پر ہم کو جو یقین ہے دعا پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں، جتنا اعتماد اور بھروسہ ہم کو اپنی ملازمت، تجارت اور بزنس پر ہے، اتنا اعتماد ہم اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور اس کی رحمت پر بھی نہیں، ہم اخبار پر یقین کرسکتے ہیں جن کی مبالغہ آرائیوں اور ناانصافیوں بلکہ غلط بیانیوں کا تجربہ ہم کو برابر ہوتا رہتا ہے، ڈاکٹروں اور حکیموں پر اعتماد کرسکتے ہیں جن کی تشخیص اور تجویز کردہ دواؤں میں اکثر اختلاف ہوتا ہے، ہم عطائیوں بلکہ راہ گیروں کی بات بھی توجہ اور سنجیدگی سے سن سکتے ہیں اور اس کا یقین بھی کرسکتے ہیں لیکن جس چیز پر ہمارا اعتماد روز بروز کمزور اور مضمحل ہوتا جارہا ہے وہ خدا کے وعدے اور اس کی شرائط پوری کرنے کے نتائج ہیں، ہم میں سے کتنے ہیں جن کے تحت الشعور میں یہ ہے کہ اگر فلاں شخص یا فلاں جماعت نہ ہوگی تو ہمارے لیے کتنی دشواریاں پیدا ہوجائیں گی، فلاں حلقہ، برداری یا جماعت ناخوش ہوجائیگی تو ساری عزت ونیک نامی جاتی رہے گی، فلاں افسر اور حاکم ناراض ہوجائے گا تو نعوذ باللہ رزق کے دروازے بند ہوجائیں گے اور مستقبل تاریک ہوجائے گا، شاعر نے شاید اسی صورت کو پیش نظر رکھ کر کہا تھا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

شمع فروزاں

خاندانی نظام شکست وریخت کے خطرہ سے دوچار

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تخلیقی ڈھانچہ سے نوازا ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" [التین: ۴] اور اس کو شرافت وکرامت کا تاج پہنایا: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی توقیر وتکریم کا اوجِ کمال یہ ہے کہ اسے فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا اور شیطان کو صرف اسی لیے عالم بالا سے اتار پھینکا گیا کہ اس نے انسان کو حقیر سمجھ کر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم سے سرتابی کی راہ اختیار کی، [البقرۃ: ۳۴، الاعراف: ۱۱، الاسراء: ۶۱، الکہف: ۵۰، طٰہٰ: ۱۱۶] اللہ نے بنی نوع انسان پر یہ احسان بھی کیا ہے کہ اس کو قوتِ تسخیر سے نوازا ہے، وہ سمندر کی تہوں کو ٹٹول رہا ہے، وہ حد نظر سے دور سیاروں پر اپنی کمندیں پھینک رہا ہے، وہ ہوا کے دوش اور سمندر کی متلاطم موجوں کی پشت پر سوار ہو کر ہزاروں میل کا سفر طے کرتا ہے، ہر صبح جب طلوع ہوتی ہے تو کائنات کی چھپی ہوئی حقیقتوں کے انکشافات اور نئے نئے آلات کے اختراع میں انسان کی فتح مندی کا مژدہ سناتی ہے، لیکن جہاں اس کی عقل و دانش کی سحر طرازیوں کے آگے کائنات دم بخود ہے، وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے بے حد کمزور، نحیف اور محتاج وضرورت مند ہے، دنیا میں جتنے جاندار ہیں وہ بمقابلہ نومولود انسان کے جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، بعض جانور چند گھنٹوں میں چلنے پھرنے لگتے ہیں اور اپنی غذائی ضرورت خود پوری کر لیتے ہیں، بعض چند دنوں میں اور بعض چند مہینوں میں لیکن انسان کو صرف آنکھ کھولنے میں کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں، مہینوں میں وہ بولنا شروع کرتا ہے اور سالوں میں چلنا پھرنا، بلوغ وشباب کی منزل کو پہنچنے میں اسے پندرہ سولہ سال لگ جاتے ہیں، پھر شعور کی پختگی، جذبات میں اعتدال، فکر میں گہرائی وغیرہ کے لیے بھی سالہا سال مطلوب ہوتے ہیں، اس لیے وہ طویل عرصہ تک اپنے والدین کا بزرگوں اور دوستوں کا، اساتذہ اور مربیوں کا بہتر مشورہ دینے والے اور بہی خواہی کا جذبہ رکھنے والے رہنماؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

اسی لیے انسان کو سب سے زیادہ خاندان کی ضرورت پڑتی ہے، اگر ماں باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے تو وہ ایک خزاں رسیدہ درخت کی طرح اپنے آپ کو بے سایہ اور بے سہارا محسوس کرتا ہے، اگر وہ بھائی بہن سے محروم ہے تب بھی اسے اپنی تنہائی کا احساس ہوتا ہے، اگر کچھ اور بزرگ رشتہ دار، دادا، دادی اور نانا، نانی نہ ہوں تو وہ غیر معمولی خلا محسوس کرتا ہے، اگر چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ سے محروم ہو تو اسے لگتا ہے کہ جیسے اس کے اردگرد اپنے خاندان کا حفاظتی حصار موجود نہیں ہے پھر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد جب تک شریک حیات کا ساتھ حاصل نہ ہو جائے اس کی زندگی بے سکون اور ناآسودہ ہوتی ہے، اب آگے خود اس کے گھر میں پھول کھلتے ہیں اور وہ صاحبِ اولاد ہوتا ہے تو اس سے غیر معمولی نفسیاتی مسرت اسے حاصل ہوتی ہے اور بیٹوں اور بیٹیوں کے بغیر اسے اپنی تگ و دَو اور جدوجہد بے معنی اور بے مقصد نظر آتی ہے، پھر سسرال خاندان کے ذریعہ وہ اپنے آپ میں مزید توانائی محسوس کرتا ہے، غرض کہ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ وہ ایک خاندان کا حصہ بن کر رہے۔

خاندان کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ وہ اس کے لیے حفاظتی حصار ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اس پر زیادتی کرے تو انسان یہ سمجھ کر اپنا دفاع کرتا ہے کہ اس کی پشت پر اس کا پورا خاندان ہے اور خود زیادتی کرنے والے کو بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمیں تنہا ایک شخص کا نہیں بلکہ پورے خاندان کا مقابلہ کرنا ہوگا، اسی لیے شریعت نے قتل کی دیت (خون بہا) قاتل کے قریب ترین رشتہ داروں کے ذمہ رکھی ہے تاکہ ایک طرف قاتل پر عائد ہونے والی اس بڑی مالی سزا کو رشتہ داروں پر تقسیم کر دیا جائے اور وہ اس کے لیے قابل برداشت ہو سکے، دوسری طرف جواعزہ و اقارب ہیں، وہ بھی محسوس کریں کہ اپنے خاندان کے ایک فرد کو جرم سے باز رکھنے کے لیے ہم بھی ذمہ دار ہیں ورنہ جرمانہ میں ہمیں بھی شریک ہونا پڑے گا، اسلام سے پہلے عربوں میں یہ خاندانی نظام ہی تھا، جس کے ذریعہ لوگوں کا تحفظ ہوتا تھا اور آج بھی قبائلی علاقوں میں یہی نظام لوگوں کی جان و مال کا محافظ ہے۔

خاندان کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کمزوروں، غریبوں، معذوروں، بوڑھوں، یتیموں، بیواؤں اور خواتین کی کفالت کا نظم ہو جاتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے خاندان کے مجبور ونادار لوگوں

کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے، والدین کو اولاد کی اور اولاد کو والدین کی ،شوہر و بیوی، بھائیوں بہنوں کی ایک دوسرے کو اسی طرح خاندان کے نادار اور بے سہارا لوگوں کی خاندان کے مرفہ الحال لوگوں کو ذمہ داری سونپی جاتی ہے، اسلام میں نفقہ، کفالت اور میراث کے پورے قانون کی اساس یہی ہے کہ انسان پر صرف اسی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ وہ خاندان کا ایک حصہ ہے، وہ ایک کل کا جزو اور ایک عمارت کی اینٹ ہے ، اس کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ دوسروں سے بالکل بے تعلق ہو جائے۔

خاندان کا تیسرا اہم مقصد خوشی و مسرت کو دوبالا کرنا اور مصائب و آلام کو تقسیم کرنا اور ہلکا کرنا ہے، کتنی بھی خوشی کی بات ہو جائے اگر اس خوشی میں ماں باپ کی شرکت نہ ہو تو یہ خوشی ادھوری، ناتمام اور بے کیف معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اگر انسان پر کوئی مصیبت آئے ،اس کے درد پر آنسو بہانے والی کوئی آنکھ نہ ہو، اس کے غم کو بانٹنے والا کوئی دل نہ ہو اور اس کی تسلی و دلداری کرنے والی کوئی زبان نہ ہو تو رائی برابر مصیبت پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہے، یہ انسانی فطرت ہے اور انسان کی نفسیات کا لازمی حصہ ہے، خاندان کی شرکت خوشی کو دوبالا اور غم کے احساس کو ہلکا کرتی ہے۔

اسی لیے قرآن مجید نے خاندان کے وجود کو اللہ تعالیٰ کے احسان میں شمار کیا ہے، بنیادی طور پر انسان تین خاندانوں کے درمیان ہوتا ہے ، دادیہال اور نانیہال ماں باپ کی طرف سے اور سرال شوہر و بیوی کی طرف سے قرآن نے پہلے دونوں خاندان کو ’’نسب‘‘ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور تیسرے خاندان کو ’’صہر‘‘ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے: ’’وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَّ كَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا‘‘ [الفرقان] اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی نظام انسانی سماج کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس میں انسان کا تحفظ ہے، اس میں اس کی کفالت کا انتظام ہے اور اس میں قلبی اور رحانی سکون کا سامان ہے لیکن اسلام کا قانونِ میراث اور قانونِ نفقہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ خاندانی نظام میں اتنا پھیلاؤ بھی نہ ہونا چاہیے کہ انسان کے لیے اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جائے اور ہر انسان کے اندر خلوت پسندی اور دوسروں کی مداخلت سے تحفظ کا جو جذبہ رکھا گیا ہے وہ بھی مجروح ہو جائے کیونکہ اگر خاندان کی وسعت غیر محدود ہو جائے تو انسان گھر میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو بازار میں محسوس کرتا ہے اور مزاج بحال رہتا ہے، ورنہ کچھ بچے اپنے والدین کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بوڑھوں کے ہاسٹل میں رہیں اور ان کے بچے سال میں ایک دفعہ آ کر انہیں گلدستہ پیش کر دیں اور بس، یہ ایسی زندگی ہے جس میں انسان کو موت زندگی سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا نقصان عورتوں کا ہوا، عورتوں کی صحت میں فطری طور پر جلد انحطاط پیدا ہوتا ہے، ولادت اور فطری عوارض تیزی سے ان کی صحت کو متاثر کر دیتے ہیں اور عمر گذرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ان کی خوبصورتی کو گہن لگنے لگتا ہے بلکہ ان کی قوت فکر اور قوت عمل بھی تیز سے متاثر ہونے لگتی ہے، اب جس معاشرہ میں عورت صرف مرد کے لیے ہوس کا سامان ہو، اس میں ایک ایسی عورت کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جس کا حسن و جمال ڈھل چکا ہو، اسی لیے مغربی سماج میں عورتیں اپنے آپ کو بہت پریشان محسوس کرتی ہیں اور غالباً اسی باعث مغربی ممالک میں خواتین بہ مقابلہ مردوں کے زیادہ اسلام قبول کرنے پر مائل ہیں۔

تیسرے اس سب سے بچے متاثر ہوتے ہیں جب زندگی میں ایک دوسرے سے جوڑ نہ ہو، زندگی کا مقصد صرف عیش و عشرت ہو تو وہاں انسان کے دادِ عیش دینے میں جو چیز بھی رکاوٹ بنتی ہے وہ بوجھ بن جاتی ہے، بچے اس آزادی میں خلل انداز ہوتے ہیں وہ ماؤں کے لیے ملازمت میں رکاوٹ بنتے ہیں اور شوہر و بیوی کے درمیان تعلقات میں بے وفائی کی وجہ سے یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہوتا ہے کہ اگر ہمارے راستے الگ ہو گئے تو ان بچوں کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ اس لیے مغربی سماج اولاد سے راہ فرار اختیار کر رہا ہے اور جو بچے پیدا ہو جاتے ہیں انہیں دیکھ بھال کے لیے پرورش گاہوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے، باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا انہیں ہفتہ میں ایک دو دن ہی مل پاتی ہے، اس طرح بچوں پر غیر معمولی نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔

اس کا ایک بڑا نقصان اپنی شناخت سے محرومی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اپنی پہچان کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے شہر کی اس کے گھر کی اس کاروبار کی اور اس کی اپنی پہچان ہو، سب سے زیادہ اس کو جو شناخت عزیز ہوتی ہے ،وہ فطری شناخت ہے یعنی ماں باپ اور خاندان سے اس نسبت وہ اس کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا ہے جو لوگ اپنی شناخت سے محروم ہوتے ہیں، انہیں یہ محرومی ہوتے ہیں انہیں یہ محرومی ستاتی ہے ،وہ نفسیاتی مریض ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ مجرمانہ

حرکتوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، خاندانی نظام کے بکھراؤ کی وجہ سے نکاح سے گریز زنا کی کثرت اور اپنی شناخت سے محروم بچوں کی پیدائش مغربی ملکوں میں ایسے مجرموں کو پیدا کررہی ہیں۔

انسان کو جو چیز سب سے زیادہ محبوب ہے وہ ہے دل کا سکون، یہ سکون یا تو انسان کو تعلق مع اللہ سے ہوا ہے یا ایک انسان کو دوسرے انسان سے بچوں کو اپنے ماں باپ کی گود میں جاکر جو سکون ملتا ہے، اس کی کسی بری سے بری نعمت سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی، نوجوان اولاد بوڑھے ماں باپ کے سر میں تیل لگائے اور پاؤں دبائے اس سے والدین کو جو خوشی ہوتی ہے اور قلب وروح کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے وہ سونے چاندی کی پلنگ پر سلانے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی، شوہر و بیوی جیسے ایک دوسرے کے سکون کا ذریعہ ہیں، کوئی چیز اس کا متبادل نہیں بن سکتی، بھائی بہن کو ایک دوسرے کی محبت سے جو جس خوشی کا احساس ہوتا ہے تو رشتوں کے آبگینے ٹوٹ جاتے ہیں جیسے برقی سے محروم بلب سے روشنی حاصل نہیں کی جاسکتی اسی طرح ان بے روح رشتوں سے انسان کو سکون کی غذا حاصل نہیں ہو پاتی، یہی وجہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ معاشرہ میں بے خوابی، ڈپریشن اور خودکشی کے واقعات تیزی سے بڑھتے جارہے ہیں، اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خاندانی نظام کا بقا انسان کے لیے بہت بڑی نعمت اور اس کا بکھر جانا بہت بڑی آزمائش ہے۔

گلوبلائزیشن کی بنیاد پر صرف مغرب کے تجارتی سامان ہی کا مشرقی ملکوں میں ایکسپورٹ نہیں ہورہا ہے بلکہ مغربی افکار مغربی تہذیب اور مغرب کا طرز زندگی کی بھی ہمارے سماج کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے، نوجوان لڑکوں اور خاص کر لڑکیوں میں خاندان سے بے تعلق ہوکر ایسی زندگی گذارنے کا مزاج پیدا ہورہا ہے کہ جس میں انہیں نہ اپنے بڑوں کی خدمت کرنی پڑے اور نہ ان کا حکم ماننا پڑے، ماں باپ جن کے قدموں کے نیچے جنت رکھی گئی اور جن کو جنت کا دروازہ کہا گیا، وہ اولاد کے لیے بوجھ بنتے جارہے ہیں، خاندان کے بزرگوں کے تجربات پر مبنی مشوروں کو دخل درمعقولات تصور کیا جارہا ہے، رشتۂ نکاح میں وفاداری کے بندھن کمزور ہوتے جارہے ہیں، اولاد سے فرار کا جذبہ پروان چڑھ رہا ہے، خاندان کے مجبور لوگوں کی کفالت اور ان کی خدمت کی ذمہ داری لوگ اپنے آپ پر محسوس نہیں کرتے، غرض کہ ہمارا خاندانی نظام بھی شکست و ریخت کے خطرہ سے دوچار ہے، ان حالات میں نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے خاندانی نظام کو بچانے کی کوشش کریں اور اپنے سماج کو مغرب کے اس سیلاب میں بہہ نہ جانے دیں جس نے خاندان کے تصور کو ایک فرسودہ روایت قرار دے دیا ہے اور چاہتا ہے کہ جیسے وہ خود خاندان کے بکھراؤ کی آگ میں جل رہا ہے مشرق سماج میں بھی اسی صورت حال کو قبول کرلے۔

☆☆☆☆☆

موجودہ نظام تعلیم کی خرابی کے دو تکلیف دہ نتائج

مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ

بے شبہ آج دنیا کے مختلف گوشوں میں، دینی مدرسوں اور خانقاہوں کے اندر کچھ چراغ جلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چراغوں کو ان ہواؤں سے محفوظ رکھیں جو ان کو بجھانے کی فکر میں ہیں، لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ ہمارا عمومی نظام تعلیم وتربیت کس سمت جارہا ہے؟ ہمارا عام معاشرہ اسی عمومی نظام کے ماتحت بنتا ہے، اور یہ عمومی نظام تعلیم وتربیت آخرت کے تصور سے خالی اور محروم ہے پھر انسانی زندگی میں سدھار آئے تو کیسے آئے؟

انسان کے موجودہ نظام تعلیم کے اس بنیادی خرابی کے دو تکلیف دہ نتائج ہیں:

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ علم وفن کی اس روز افزوں ترقی کے باوجود انسانی زندگی سے امن اور چین گم ہے، اخلاق فاضلہ حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں، حقوق اور واجبات کا احساس نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے موجودہ علم وفن میں کل کے احتساب کا کچھ تصور نہیں ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ جو نظام تعلیم وتہذیب فکر فردا سے خالی ہے وہ انسانی اخلاق کو ہرگز نہیں سدھار سکتا۔

دوسری سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس آج کے بعد اگر ایسا کل آیا جس میں انسان کو اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے، اور اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق یقیناً ایسا ہونا ہے، تو اس وقت یہ نظام تعلیم اور یہ سلسلہ تہذیب وتمدن انسان کے حق میں کیسا غیر مفید ثابت ہوگا، اس لیے کہ ہمارے موجودہ سرمایہ علم میں، اس دن کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ☆☆☆

تذکیر و ارشاد

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

● .... پروفیسر محسن عثمانی ندوی

اکیسویں صدی میں ظالم اور جابر حکومتوں کے خلاف تیز و تند آندھی کی طرح تحریکیں اٹھیں جن سے حکومتوں کے خیمے اکھڑ گئے، بہت پہلے ایران میں اور پھر بعد میں عرب ملکوں میں، تیونس میں، مصر میں، شام میں، لیبیا میں عوام و خواص جابر حکومتوں کے خلاف انقلاب بردوش بن کر اٹھے اور انہوں نے زمین میں زلزلہ ڈال دیا اور حکومتوں کا تختہ الٹ دیا، کہیں یہ انقلاب کامیاب ہوا اور کہیں دنیا کی بڑی طاقتوں کی سازش سے اور بعض ملکوں کی کوشش سے ناکام ہو گیا، جو منظر عرب ممالک میں چند سال پہلے دیکھنے میں آیا تھا وہی منظر اب ہندوستان میں دیکھنے میں آرہا ہے، مصر کے میدان التحریر کی طرح ہندوستان کا ہر میدان میدانِ تحریر بن گیا ہے، ہندوستان کے طول و عرض میں پرجوش احتجاجات کی لہر اٹھ رہی ہے، عصری جامعات کے طلبہ اور خواتین کا اس میں قائدانہ رول ہے، ان کے پیدا کردہ زلزلہ سے زمین ہل رہی ہے اور ان کے غلغلہ سے گنبد مینا گونج رہا ہے، حدیث نبویؐ کی روشنی میں انسان کو نہ تو ظالم ہونا چاہیے اور نہ مظلوم، ظلم کا مقابلہ کرنا ایک دینی قدر ہے اور جو نوجوان حکومت کے ظلم کو روکنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں وہ قابل قدر ہیں اور ان کی ہمت کی داد دینی چاہیے کہ سخت سردی کے موسم میں برفبار ہواؤں میں، تمام برادران وطن کے ساتھ مل کر ہندوستان کے سیکولر اور جمہوری آئین کی حفاظت کے لیے اور تکثیری سماج کی حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اگر اس وقت مزاحمت نہ کی گئی تو اس ملک میں اقلیتوں کو لوح ایام سے مٹا دیا جائے گا، پھر نہ مسجدیں رہیں گی نہ چرچ نہ اقلیتوں کی عبادت گاہیں اور نہ مدرسوں کا وجود باقی رہے گا۔ موب لنچنگ، جے شری رام کے نعرے، سوریہ نمسکار، تین طلاق کا قانون، دفعہ ۳۷۰ کی منسوخی، بابری مسجد اور اب شہریت کے قانون میں ترمیم کا ایکٹ آیا ہے جس سے تمام اقلیتوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے، یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جارہا ہے، اگر ظلم کے خلاف پوری طاقت سے عوام نہیں کھڑے ہوں گے تو اس ملک کو اسپین اور ہندو راشٹر بنانے کا آر ایس ایس کا خواب پورا ہو جائے گا۔ اس تحریک احتجاج میں تمام مذہب و ملت کے لوگوں کا ساتھ حصہ لینا بے حد ضروری ہے تاکہ یہ تحریک طاقتور ہو، گوہر مقصود حاصل ہو اور یہ سفینہ ساحل مراد تک پہنچ سکے، ایک مقولہ یا نعرہ ہے جو مصر کی آزادی کی تحریک میں عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کو ساتھ لینے کے لیے وہاں کے مقبول اور ہر دلعزیز لیڈر سعد زغلول نے لگایا تھا: الدین للہ والوطن للجمیع یعنی دین اللہ کا ہے اور وطن سب کا ہے۔ یہ نعرہ اس مفہوم میں تو غلط ہے کہ دین کا سیاست سے اور ملک کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں؛ لیکن اس مفہوم میں درست ہے کہ دین اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا نام ہے اور حقوق وطنیت میں جو لوگ شریک ہیں، ان کے مشترک فائدے کے لیے وطن کی حفاظت کے لیے باہمی اشتراک و تعاون سے کام کیا جانا وطن کا تقاضہ ہے اور یہ دین کے خلاف نہیں۔

ہندوستان میں خلافت اور ترک موالات کی تحریک کے زمانہ میں جس طرح ہر ملت و مذہب کے لوگ شانہ بشانہ شریک تھے، اس طرح موجودہ احتجاجات کے مد و جزر اور تلاطم میں ہر مذہب کے لوگ شریک ہیں اور ان احتجاجات کی باہمی اصل قوت اسی اتحاد و اتفاق میں پنہاں ہے، وہ حکومت جو فرقہ وارانہ خطوط پر ملک کو تقسیم کرنا چاہتی ہے، اس احتجاج کو بھی صرف مسلمانوں کا احتجاج ثابت کرنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ: ''کون احتجاج کر رہا ہے اس کا پتہ احتجاج کرنے والوں کے کپڑوں سے لگایا جاسکتا ہے۔'' دانشمندی کا تقاضہ ہے کہ فرقہ وارانہ خطوط پر اس تحریک کو ہرگز نہ چلایا جائے، اس میں تمام انصاف پسند اور سیکولر ذہن کے لوگوں کو اپنا ہم نوا اور ہم سفر و ہمساز اور ہم آواز بنایا جائے، ایسے نعروں سے گریز کیا جائے جن سے یہ شبہ ہو کہ یہ صرف مسلمانوں کا احتجاج ہے اور صرف مسلمانوں کا مسئلہ ہے، جو نوجوان طلبہ خالص مذہبی نعرے لگائیں گے وہ برادران وطن کو نفسیاتی اور ذہنی طور پر دور کریں گے اور اس حکومت کو طاقت بخشیں گے جو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ: ''شہریت کے ان قوانین کی مخالفت صرف مسلمانوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور مسلمان شروع سے دیش دروہی رہے ہیں''۔ سیرت طیبہ میں مسلمانوں کو حلف الفضول سے آسانی سے دلیل مل سکتی ہے، جب رسول اکرمؐ نے نبوت سے پہلے اس معاہدہ میں شرکت کی تھی جو ظلم اور حق تلفی کے خلاف طے پایا تھا

اور جس میں مختلف قبائل عرب نے شرکت کی تھی ، مسلمانوں کا موجودہ احتجاج اسی مبارک معاہدہ کی طرح ہونا چاہیے جو ہر ظلم وقہرمانی اور ناانصافی کے خلاف تھا جس میں رسول اکرمؐ نے نبوت ملنے سے پہلے تمام قبائل عرب کے ساتھ شرکت کی تھی اور نبوت ملنے کے بعد فرمایا تھا کہ اس طرح کے کسی معاہدہ کے لیے مجھے بلایا جائے گا تو اب بھی میں اس میں شریک ہوں گا۔

اس کے باوجود کہ ظلم کی مخالفت مذہبی قدر ہے اور دین اسلام نے ظالم کا ہاتھ پکڑنے کا حکم دیا ہے؛ لیکن اگر مسلمانوں نے احتجاجات کو یہ رنگ دیا کہ یہ ان کا اپنا مذہبی معاملہ ہے اور صرف ان کی شہریت کو خطرہ ہے، تو وہ دوسرے اپنے ہم وطنوں کو اس تحریک سے الگ کردیں گے اور نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک ناکام ہوجائے گی، ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اور تکثیری سماج میں آخر وہ وطنی تحریک کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جو صرف ایک گروہ اور صرف ایک مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے برپا کی گئی ہو جس کا ساتھ دوسرے ہم وطن نہ دے رہے ہوں اور وہ اس کے ہم نفس اور ہم نوا نہ ہوں جبکہ حکومت بھی مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی دشمن ہو، اس وقت بعض بی جے پی کی حکومتوں نے احتجاجیوں کے خلاف سخت گیری شروع کردی ہے اور کہیں کہیں خرمن احتجاج پر حکومت کی بجلی بھی گری ہے چونکہ الیکشن ابھی دور ہے، اس لیے حکومت کو اطمینان حاصل ہے، ڈر یہ ہے کہ حکومت کی نامہربانی و ناترسی اور ترہیب کی وجہ سے یہ مرغ بلند بام کہیں زیر دام نہ آجائے، اس وقت برادرانِ وطن اور ان کے سماجی اور سیاسی لیڈر شیر وشکر ہوکر جمہوریت اور آئین کی حفاظت کے لیے احتجاج کی تحریک کا پورا ساتھ دے رہے ہیں، یہ بہت خوش آئند بات ہے اور بہت مسرت افزا بھی، کوئی ایسی غلطی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہونی چاہیے جس کی وجہ سے وہ ساتھ چھوڑ دیں اور مسلمان تنہا رہ جائیں، پھر اس احتجاج کی حیثیت ایسے دریا کے تلاطم کی ہوجائے گی جس کی تہہ میں موتی نہ ہوں، وہ صرف ایسی آوازوں کا شور ہوگا جو معانی کی قوت سے تہی ہوں، وہ ایسی کشتی ہوگی جس کی قسمت میں ساحل نہ ہوگا، وہ ایسی صدا ہوگی جو صدا بصحراء کے مصداق ہوگی، وہ ایسی آواز ہوگی جو دور افتادہ ہوگی، اور پھر ''فغانِ قافلہ بے نوا کی قیمت کیا''۔

احتجاج ، جلوس ، مظاہرے اور مطالبے جمہوریت کے دور کے ضروری ہتھیار ہیں اور ان سے مفر نہیں لیکن یہ احتجاج پامردی اور استقلال کے ساتھ کب تک جاری رہ سکے گا، یہ بہت اہم سوال ہے، نگاہِ دور بیں و دور رس کو حاضر الوقت مسائل کا پائیدار حل بھی ڈھونڈنا چاہیے، جاری احتجاجات کی حیثیت وقتی اور عارضی علاج کی ہے، یہ ضروری کام ہے؛ لیکن ہمیں شفائے عاجل ہی پر نہیں شفائے کامل اور شفائے مستقل پر بھی توجہ دینی چاہیے، اس کے لیے مرض کے اصل سبب کو سمجھنے کی ضرورت ہے، حکومت ظلم کررہی ہے اور ظلم اس لیے کررہی ہے کہ اس کو پارلیمنٹ میں غیر معمولی عددی قوت حاصل ہے، یہ قوت اس لیے حاصل ہے کہ عوام نے اس کو ووٹ دیا ہے، عوام نے اس لیے حکمراں جماعت کو ووٹ دیا ہے کہ عوام کی اکثریت کے جسم میں اسلام اور مسلم دشمنی کا زہر کا انجکشن دیا گیا ہے، اس لیے برادرانِ وطن کے ذہن سے جب تک اسلام دشمنی کا زہر نہیں نکالا جائے گا ، حالات نہیں بدلیں گے اور ہر تھوڑے دنوں پر ایک نیا زخم لگتا رہے گا، مسلمان ایک ہزار سال سے ہندؤوں کے ساتھ رہ رہے ہیں لیکن وہی بیگانگی اور غیریت جو پہلے تھی وہ اب بھی باقی ہے، اس لیے سب سے ضروری کام اور تمام کاموں پر مقدم کام برادرانِ وطن سے رابطہ قائم کرنا ہے، ہر ایک سے باہمی تعارف اور شناسائی پیدا کرنا اور اپنے کردار واخلاق سے ان پر اچھا اثر ڈالنا ہے، یہی چیز حفاظت اسلام اور اشاعت اسلام کی ضامن ہوسکتی ہے، مسلمانوں کی بہت سی تنظیمیں ہیں اور ان سب کا دائرۂ کار صرف مسلمانوں کے درمیان ہے، اس لیے اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت اس تحریک کا تعاون اور اس میں عملی شرکت ہے جو برادرانِ وطن کے درمیان ''پیام انسانیت'' کے نام سے کام کررہی ہے اور ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کررہی ہے، نفرت سے بھرے لوگوں کے پاس محبت کا جام لے کر جارہی ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے رفاہِ عام اور خدمت خلق کے عنوان سے ہم سب کو اپنی علمی وعملی وسائل کو بروئے کار لانا ہوگا، اسی کے ساتھ وہ موجود تنظیمیں جو اپنی جگہ مفید کام انجام دے رہی ہیں ان کو اس نئی مہم کو بھی سر کرنے کے لیے تیار رہنا پڑے گا اور اپنے یہاں اس ضروری کام کا ایک متحرک اور فعال شعبہ قائم کرنا ہوگا اور سماجی خدمت کے میدان میں آنا پڑے گا، یہ بات علماء دین کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ امت مسلمہ کو ''خیر امت'' کا جو تمغہ وامتیاز رب العالمین کی طرف سے مرحمت فرمایا گیا تھا، وہ " أخرجت للناس " کے مشن کے لیے تھا جسے غلطی سے "اخرجت للمسلمین " کا مرادف سمجھ لیا گیا ہے، یاد رکھئے

کہ اس اہم کام کی طرف سے بے التفاتی کے عواقب خطرناک ہوسکتے ہیں، یہ ضروری دینی کام مرد بیمار کے لیے داروئے شفا کی حیثیت رکھتا ہے اوراب ہر قیمت پر یہ کام انجام دیا جانا چاہیے،اس بے حد ضروری کام کے لیے جو اس بیمار ملت کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتا ہے، اہل خیر اور اہل توفیق کو آگے آنا چاہیے:

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

ایک اور دوسرا ضروری کام ہے جو حالات کو بدلنے کے لیے ضروری ہے، یہ بات ''خدا مجھے نفس جبرئیل دے تو کہوں''، ہندوستان کی تاریخ میں اہل دل اور اصحابِ روحانیت نے غیر مسلم عوام اور خواص پر بہت اثر ڈالا تھا، ان کی خانقاہیں ستم رسیدہ انسانوں کی پناہ گاہیں تھیں، ان کی شفقت اور دلداری کی شبنم ان کے زخمی دلوں کے لیے مرہم تھی، مضطرب اور بے چین دلوں کو وہاں سکون اور آرام ملتا تھا، خلائق کا اور تمام مذاہب کے لوگوں کا ان پر اس طرح ہجوم ہوتا تھا جیسا پروانوں کا شمع پر ہوتا ہے، برادرانِ وطن بہت بڑی تعداد میں ان سے معتقدانہ تعلق رکھتے تھے اور کچھ لوگ اسلام بھی قبول کرتے تھے۔اس وقت ضرورت ہے کہ ہر بستی اور ہر شہر میں ایسے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے والے زہد وعبادت کے پیکر موجود ہوں جو ارشاد وتربیت کا کام انجام دیں جو تمام مسلکی اختلافات سے بلند ہوں، ایسی روشن شمعیں جب جب جلیں گی، پروانے بھی آئیں گے، مسلمانوں کے خلاف نفرت کو ختم کرنے کے لیے اعلیٰ روحانی استعداد رکھنے والے ایمان ویقین اور دردو محبت کی مشعل جلانے والوں کی ضرورت ہے، تاریخ میں درویشانہ زندگی اختیار کرنے والے اولیاء کرام نے رواداری اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور اس کے ساتھ پشت پر حکومت کی طاقت سونے پر سہاگہ کی حیثیت رکھتی تھی، اب حکومت کی طاقت تو نہیں ہے، لیکن اگر مسلمان تعلیم میں اور اقتصادیات میں کوئی مقام پیدا کرلیں تو یہ انقلاب انگیز قوت حکومتی طاقت کا بدل بن سکتی ہے اور ان کی وجاہت کی بازیابی کا ذریعہ ہوسکتی ہے،ضروری ہے کہ ہر مسلمان کوئی حرفت اور ہنر سیکھ لے اور کوئی مسلمان گداگر باقی نہ رہے، مسلم جماعتوں اور تنظیموں کو مسلمانوں کی تعلیم، صنعت اور اقتصادی حالت کے استحکام کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تیسرا ضروری کام جو ہمارے قائدین کے ذمہ قرض ہے، وہ تمام بڑے شہروں میں جامعات میں عصری تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے اسلامی ہوسٹل کی تعمیر ہے جہاں ان کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تربیت کا انتظام ہوسکے،

چوتھا ضروری کام دینی ومذہبی مدرسوں میں نصابِ تعلیم کی اصلاح ہے یعنی ایسا نصاب تعلیم ہو جسے پڑھ کر اور مدرسوں سے فارغ ہوکر علماء برادرانِ وطن کو ان کی زبان میں مخاطب ہونے کے اہل ہوسکیں اور ان سے ڈائلاگ کرسکیں، قرآن کی اس آیت کو سامنے رکھنا چاہیے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر زمانہ کا پیغمبر اپنی قوم سے ''لسان قوم'' میں خطاب کرتا تھا، لسان قوم میں مہارت تو بڑی چیز ہے، اب مسلمان اردو زبان سے بھی جو مادری زبان ہے، غافل ہوتے جارہے ہیں، نئی نسل اردو نہیں سیکھ رہی ہے، اردو زبان میں ہماری مذہب اور ثقافت کا بہت بڑا سرمایہ ہے، یہ اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ یہ سرمایہ ضائع ہوجائے گا، اردو زبان اہل اردو سے شکوہ سنج ہے اور ان کی بے غیرتی اور بے حمیتی پر ماتم کناں ہے، یہ کام اہل دانش وبینش اور علماء کرام کا ہے جن کی حیثیت مسیحائے قوم کی ہے کہ مذکورہ بالا خطوط پر امت کی رہبری کریں اور اپنی تقریر و تحریر سے ان کے اندر قوت عمل پیدا کریں اور انہیں بتائیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ تعمیر اور تعلیم کے کاموں کے لیے اپنی ساری توانائیاں خرچ کرڈالی جائیں، جنگی خطوط پر کام کیا جائے اور وقت کے نلوں سے سارا تیل نچوڑ لیا جائے اور فضول خرچی کا کوئی کام نہ کیا جائے اور اپنا سرمایہ ملت کے کام پر لگایا جائے، انہیں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ ان کا مقابلہ ایسی تنظیم سے ہے جس کے پاس مادی قوت اس قدر ہے جس قدر حکومت کے پاس ہے اور پھر اس وقت حکومت بھی اسی کی ہے، وزیر اعظم اور وزیر داخلہ اسی کا ہے، سارے وزراء اسی کے چشم وابرو کو دیکھ کر کام کرتے ہیں اور وہ اس کے آگے جواب دہ ہیں، اس تنظیم کے پاس ملک میں سیکڑوں اسکول اور کالج ہیں، وہ دنیا کی سب سے بڑی پرائیویٹ تنظیم ہے اور اس کا نصب العین ہندو اسٹیٹ کو وجود میں لانا ہے، گذشتہ پچاس سال میں اس نے اتنی ترقی کی ہے کہ ملک کی اکثریت کے نزدیک وہ میر کارواں ہے اور مسلمانوں کی ترقی معکوس اس قدر ہے کہ وہ گردِ کارواں بھی نہیں ہیں، کیا یہ باتیں غور وفکر کو دعوت نہیں دیتی ہیں، ہمیں غور کرنا ہے کہ ہمیں اب کیا کام کرنا ہے، ہمارا ایمان ہے کہ ''دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است'' لیکن ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

نظام عالم

منتخب لوگ ہی نظام الٰہی کو چلانے والے ہیں!

مولانا سید صہیب حسینی ندوی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ”وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ“ [سورۃ القصص:۶۸] (اور آپ کا رب جو چاہتا پیدا کرتا ہے اور جیسے چاہتا چن لیتا ہے)۔

اللہ نے دنیا کے نظام میں ایک مادی دنیاوی نظام بنایا ہے اور ایک دینی روحانی نظام بنایا ہے، مادی نظام کے تحت اللہ تعالیٰ دنیا کو خوش نما شہ پاروں، حسین گلدستوں، بارونق کہکشاؤں اور دلفریب مناظر سے گھیر دیا ہے اور یہ ایسا ظاہری اور دنیاوی نظام ہے کہ ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت اور علم کا اعلان کرتی رہتی ہے اور ساری چیزوں پر غور و خوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی بہت بڑی ذات ہے جو سارے نظام کو چلا رہی ہے اور آدمی جب عقل صحیح کے ذریعہ غور کرتا ہے تو فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ وہی اللہ کی ذات ہے۔

چند آیات قرآنی کے ذریعہ اس مادی اور دنیاوی نظام الٰہی کو بیان کیا جا رہا ہے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فطری حسن و جمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ“ [سورۃ الحجر:۱۶] (اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجا دیا ہے)، ”وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ“ [سورۃ ملک:۵] (اور حقیقت میں ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کر دیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نباتاتی حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ“ [سورۃ الحج:۵] (اور ہم جب زمین پر بارشیں برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: ”فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ“ [سورۃ النمل:۶۰] (ہم نے بارشوں سے ہرے بھرے باغات اگا دیے)۔

اللہ تعالیٰ حیوانات کے حسن اور ان کے چرانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ“ [سورۃ النحل:۶] (اور تمہارے لیے چوپاؤں میں جب چرا کر لاؤ اور جب چرانے جاؤ، رونق اور حسن ہے)۔

اللہ تعالیٰ انسانی حسن و جمال کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ“ [سورۃ التغابن:۳] (اسی ذات نے تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں)۔

مختلف اشیاء اور چیزوں کی صناعی اور مضبوطی کا اظہار اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ”صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْ أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ“ [سورۃ النمل:۸۸] (یہ ہے اللہ تعالیٰ کی صنعت جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا)۔

یہ چند آیات قرآنی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دنیاوی مادی نظام بڑا ہی منظم، دیدہ زیب، خوشنما، پرکشش اور بامقصد ہے، جتنا زیادہ آدمی غور کرتا جائے گا اتنا زیادہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، قدرت کاملہ اور وحدانیت کے شواہد نظر آتے جائیں گے، اسی لیے بار بار اللہ تعالیٰ حکم دیدیتا ہے کہ ہمارے ان مظاہر قدرت کو دیکھو اور اگر ہم نے اپنی عقل سے کام لیا تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے: ”رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (اے ہمارے پروردگار! یہ ساری چیزیں آپ نے بیکار نہیں پیدا کی ہیں، آپ کی ذات پاک اور بے عیب ہے، ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لے)۔

اس دنیاوی مادی نظام کے بعد جب ہم اللہ تعالیٰ کے دینی روحانی نظام کو دیکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ بڑا ہی منظم مضبوط حکمت پر مبنی اور منتخب نظام ہے، اس دینی و روحانی نظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو منتخب کیا، اور تین سو تیرہ انبیاء کرام کو احکامات اور شریعت دے کر بحیثیت رسول کے منتخب کیا، اس کے بعد ان انبیاء کرام علیہم السلام میں سے پانچ کو اولوالعزم رسول بنایا، وہ پانچ رسول حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر ان رسولوں میں دو کو اپنا خلیل بنایا ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں سے جو سب سے اعلیٰ شاخ اور خاندان چلا ہے اس میں قبیلہ قریش کی بنو ہاشم شاخ میں پیدا کیا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنائے جانے کے بعد دین و دنیا کے اعتبار سے سب سے افضل ترین انسان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اب نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ پہلے ہوا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع

پرفرمایا تھا: "أنـا سیـد ولـد آدم ولا فخر" (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، یہ ہمارا امتیاز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے)۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ ہر ہر زمانہ کے نبی اور رسول اپنی ذات وصفات، خصوصیات، امتیازات اور دینی مقام کے اعتبار سے سب پر فائق ہوتے تھے اور سب سے اخیر میں جس ذات والا صفات کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام پھیلانے کے لیے منتخب کیا، وہ سب سے اشرف و اعلیٰ تھے، معراج واسریٰ کے واقعہ میں بیت المقدس میں انبیاء کے ذریعہ استقبال کرا کے اور امامت کا عظیم منصب عطا فرما کر امام الانبیاء بنا دیا، اور سید الاولین والآخرین کی دولت سے مالا مال فرما دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام گیر، ہمہ گیر، خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بنا کر قیامت تک آنے والے سارے انسانوں سے کہہ دیا گیا: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے)، اور کہیں ارشاد فرمایا: "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ" (آپ کہہ دیجیے اگر تم کو اللہ سے محبت وتعلق ہے تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا)۔

اس انداز کی بہت سی آیات مبارکہ موجود ہیں، اب ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اپنے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی رکھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم راجح قول کے اعتبار سے ۹ر ربیع الاول بروز دوشنبہ صبح صادق کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہی سے روشنی اور نور کی کرنیں پھیل گئیں، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا، اس کے بعد یہ نور اور برکت دوسرے مختلف موقعوں پر نظر آتی رہی، اسی سے دائی حلیمہ کی قسمت بھی جاگ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی رواں دواں تھی اور سالوں کے اعتبار سے بڑھ رہی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے جزیرۃ العرب میں امانت و سچائی کا مرکز بن چکے تھے، آپؐ کے پاس امانتیں رکھی جاتی تھیں اور پورے علاقہ میں الامین الصادق کے لقب سے مشہور ومعروف ہو گئے تھے، نبوت سے پہلے چالیس سالہ دور میں بڑے اہم واقعات پیش آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح حل کر دیا کہ سب آپ کے شیدائی بن گئے، حجر اسود کے نصب کیے جانے کا واقعہ اور اسی طرح حلف الفضول کا اہم معاہدہ، یہ آج کے دور میں انسانیت کا بہت بڑا پیغام ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کے ہونے والے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قوم کی حالت دیکھ دیکھ کر کرب و بے چینی اور نور ہدایت کی تڑپ اور طلب بڑھتی جا رہی تھی، طلب ہدایت کے لیے غاروں میں، بیابانوں میں اور تنہائیوں میں اپنے رب سے ایسی حضوری پیدا کی کہ سچے خواب نظر آنے لگے، یہ حالت تقریباً چھ ماہ تک طاری رہی، اسی حالت اضطراری میں غار حراء میں ۹ر ربیع الاول دوشنبہ کے دن ۴۱ میلادی مطابق ۳ر فروری ۶۱۰ء کو جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کی اہمیت والی آیات قرآنی لے کر آ گئے، وہ آیات قرآنی یہ ہیں: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" (پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے، انسان کو ایک گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے آپ کا پالنہار بہت ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان آیات کو اپنی زبان مبارک سے ادا کیا تو آپؐ کی کیفیت اچانک بدل گئی اور ایسا لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے نیچے آ گئے ہوں، کپکپانے لگے، پسینہ پسینہ ہو گئے، وہ نور جو پیدائش کے وقت ظاہر ہوا تھا، آج غار حراء میں نور کامل، بدر کامل اور رسالت کاملہ کی شکل میں بدل گیا۔

اس کے بعد "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" (اے کملی اوڑھنے والے! آگاہ کر دو کھڑے ہو کر، اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو) اسکے بعد تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلامی میں لگ گئے اور کلمہ "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کی خفیہ انداز سے دعوت شروع کر دی پھر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ: "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" (اپنے قریبی خاندان والوں کو آگاہ کر دو)، اس سے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان کی ایک ایک شاخ کے پاس جا کر دعوت اسلام پہونچا دی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیدیا کہ برملا اعلان حق کر دو اور مشرکین سے اعراض کرو: "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ" (جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کا برملا اعلان کر دو، اور مشرکین سے اعراض کرو)۔

یہ حکم آنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑی پر، کعبہ کے اطراف میں، مکہ مکرمہ کے گلی

کوچوں میں، حج کے زمانہ میں اقوام عالم کے سامنے وہ اعلان حق فرمایا کہ درودیوار ہل گئے، ہر طرف کلمہ ”لا الٰــہ الا اللّٰــہ محمد رسول اللّٰــہ“ کی صدا لگنے لگی، آہستہ آہستہ اسلام پھیلنا شروع ہوگیا اور لوگوں کے دلوں میں گھستا گیا، دوسری طرف مشرکین مکہ آگ بگولہ ہورہے تھے، روکنے کی کوششیں کررہے تھے، ہر حربہ استعمال کرنے لگے، ابھی تک جو سب سے سچا تھا، امانت دار تھا، پاکباز تھا، مجنون ہوگیا، دیوانہ ہوگیا، سحرزدہ ہوگیا، بددین کہا جیسے جملہ بکنے لگے، جب ان جملوں اور بکواس سے کچھ نہیں ہوا تو پریشان کرنا، ایذائیں دینا، سخت ترین تکالیف میں مبتلا کرنا، مارنا پیٹنا، گھسیٹنا جو بھی ہوسکتا تھا، کرنے لگے لیکن وہ سب ایسے جیالے، مضبوط، ایمان والے اور عاشق رسول تھے کہ ہر بڑی تکلیف پر ”أحد أحد“ (ایک ہے، ایک ہے) کا نعرۂ مستانہ لگانے لگے، جب تکالیف کی انتہاء ہوگئی اور یہ ماننے کو تیار نہیں ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ طائف جاکر ان کو دعوت اسلام دیں کیونکہ وہ زرخیز علاقہ ہے، ہوسکتا ہے کہ علاقہ کے اعتبار سے وہاں کے لوگوں کے ذہن ودماغ بھی زرخیز اور کھلے ہوئے ہوں لیکن معاملہ بالکل الٹا نکلا، انہوں نے تو حد کردی، رکنے ہی نہیں دیا، اوباش بدمعاش اور غنڈوں کو پیچھے لگا دیا جو آپ پر پتھر برسا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوگئے، بےحوش ہوگئے اور خون سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپلیں رنگین ہوگئیں، اس وقت اللہ کو بھی جلال آگیا، جبرئیلؑ امین کے ساتھ پہاڑوں کے فرشتوں کو بھیج کر کہہ دیا کہ اگر آپ چاہیں تو فرشتہ کو حکم دیدیں، وہ پہاڑوں کے بیچ میں پوری قوم کو پیس کر انتقام لے سکتا ہے، اس پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: نہیں نہیں، ایسا نہ کیا جائے، اگر یہ نہیں مانتے تو ان کی نسلیں مانیں گی، یہاں تک کہ تاریخ سلام نے دیکھا کہ پورا طائف دین اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

جب اہل مکہ اور طائف کے مظالم بڑھتے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام اور دلجوئی کے لیے معراج کی عظیم دولت عطا فرمائی، راتوں رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکہ سے جبرئیل امین کے ساتھ براق سواری پر بیت المقدس پہونچ گئے جہاں سارے انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال اور ملاقات کے لیے حاضر تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سب نبیوں کو نماز پڑھائی، پھر اللہ تعالیٰ نے سدرۃ المنتہی پر بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتویں آسمان پر گئے، ہر ہر آسمان پر زبردست آپ کا استقبال ہوا، جب سدرۃ المنتہی پر جانے لگے تو جبرئیل امین نے کہا کہ ہم نہیں جاسکتے، آپ اکیلے جائیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اللہ کے پاس گئے، اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی، جنت ودوزخ دکھائی گئی، جہنمی اور دوزخی لوگوں کے اعمال دکھائے گئے، جنت میں لے جانے والے بعض اعمال بتا کر عظیم نماز کا تحفہ دے کر اللہ تعالیٰ نے واپس بھیج دیا۔

اس طرح جب ظلم وزیادتی کی انتہاء ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت دیدی، دومرتبہ حبشہ کی طرف صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ نے ہجرت کی اور بعض لوگ مدنیہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کی اجازت مل گئی، تقریباً چودہ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں قیام کیا اور سب سے پہلی مسجد تعمیر کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہونچے اور مسجد نبوی بنائی، مدینہ منورہ میں دعوت کا کام تیزی سے پھیلنے لگا، ادھر مکہ کے مشرکین یہ سب دیکھ دیکھ کر آگ بگولہ اور پاگل ہورہے تھے اور اسلام کو مٹانے کے لیے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی کوششیں اور سازشیں کرنے لگے اور اپنے ساتھ یہود ونصاریٰ کو شامل کرکے جنگوں کی تیاری شروع کردی، ادھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں کچھ قوت وطاقت اور افرادی جمعیت حاصل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے جنگ وجدال اور دفاع کے لیے جہاد کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ: اب دبنے اور مار کھانے کی ضرورت نہیں ہے، تم بھرپور انداز سے دفاع کرسکتے ہو، ارشاد ربانی ہے: ” أُذِنَ لِلَّـذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِـمُـوْا وَإِنَّ اللّٰـهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ “ (جن لوگوں سے قتال کیا جارہا ہے ان کو جہاد کی اجازت دیدی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے)، اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ” وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰـهِ الَّـذِيْـنَ يُـقَـاتِـلُـوْنَـكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ “ (جہاد کرو اللہ کے راستے میں، ان لوگوں سے جو تم سے لڑائی کررہے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرنا، حقیقت میں اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

حق وباطل کا کیونکہ معرکہ شروع ہوچکا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسبابی دنیاوی نظام کی وجہ سے قیامت تک آنے ہر مؤمن سے کہدیا: ” وَأَعِـدُّوْا لَهُـمْ مَـا اسْـتَـطَـعْـتُـمْ مِّنْ قُوَّةٍ “ ان اہل باطل سے مقابلہ کے لیے اپنی وسعت کے دائرہ کے اندر ہر طاقت وقوت والی چیزوں سے لیس اور تیار رہو، اور اس کا مقصد ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حکم ہم نے تم کو اس لیے دیا ہے تاکہ تم اس کے

ذریعہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کے اندر خوف ودہشت پھیلا دو، یہ وہ حکم خداوندی تھا جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تیاری کے ساتھ عمل ہی نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جمعیت تیار کردی پھر ہر ہر ظلم وبربریت اور اسلام کو مٹانے کی ساری کوششوں کو عمل جہاد سے ختم فرمادیا، جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خیبر، جنگ احزاب، جنگ حنین وغیرہ بہت سے جہاد کیے، مؤرخین اور معتبر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ۲۹ر جہاد کیے اور صحابہ کرامؓ کے جہاد وسرایا کی تعداد پچاس کے قریب بیان کی گئی ہے، معتبر سیرت کی کتابوں میں یہ سب آپ کو مل جائے گا۔

آپ کے سامنے بہت ہی اختصار کے ساتھ مکمل سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر روشنی ڈالی گئی ہے، چھوٹے سے مضمون میں اس سے زیادہ بیان نہیں کیا جاسکتا ہے، اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہم پورے قرآن کریم کو پڑھنے والے بنیں اور عملی زندگی کو اس سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں اور عملی کامیاب زندگی اور بہترین عملی نمونہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی کو نگاہوں کے سامنے رکھتے ہوئے عمل کرنے کے لیے اپنے کو تیار کریں اور جو لوگ اس زندگی کو سامنے رکھ کر کام کررہے ہوں، ان کا تعاون کرنے والے بنیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے چالس سالہ زندگی پھر نبوت کے بعد تیرہ سالہ مکی زندگی اور اس کے بعد دس سالہ مدنی زندگی، اس طرح ترسٹھ سالہ زندگی کو نمونہ بنائیں، یہ بات بہت واضح انداز میں خلفاء راشدین (ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین) کی زندگی میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاهلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادیٔ علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

آداب معاشرت

نیک صحبت اور انسانی زندگی پر اُس کا اثر

● ....مولانا محمد طارق نعمان

انسان کی زندگی پر صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی انسان کی پہچان کرنی ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھو، اگر دوست نیک ہوں گے تو وہ بھی نیک ہوگا، سمجھدار لوگ اپنے متعلقین کو برے لوگوں کی صحبت سے منع کرتے ہیں اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی تلقین کیا کرتے ہیں، شریعت نے بھی ہمیں متقی نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے پر ابھارا ہے اور گناہ گاروں اور شریر لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے، یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ دوست کی صحبت کا دینی، عقلی اور اخلاقی طور پر اثر ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے لوگوں کے ساتھ دوستی کرتا ہے''۔

ہمارے اساتذہ، علماء اور عقلمند حضرات نے بہتر لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے ڈرایا اور متنبہ کیا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تم نیک لوگوں کے ساتھ پتھر منتقل کرو، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم برے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر حلوہ کھاؤ''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''نیک لوگوں کی صحبت چھ چیزوں کو چھ چیزوں سے بدل دیتی ہے:

۱- شک کو یقین سے، ۲- ریاکاری کو اخلاص سے، ۳- تکبر کو عاجزی سے، ۴- بری نیت کو حسنِ نیت سے، ۵- دنیا کی رغبت کو آخرت کی رغبت سے، ۶- غفلت کو ذکر سے''۔ [مدارج السالکین]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ''نیک انسان کی صحبت اکیلے رہنے سے بہتر ہے اور اکیلے رہنا برے دوست سے بہتر ہے''۔

اچھی صحبت کا اچھا پھل ہوتا ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اچھی مجلس اور بری مجلس کی مثال اس طرح ہے جیسے خوشبو بیچنے والا اور بھٹی جھونکنے والا، خوشبو بیچنے والا یا تو تمہیں خوشبو دے گا یا تم اس سے خوشبو خرید لوگے یا تم اس سے پالوگے اور بھٹی جھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا، یا تم اس سے بری بو پالوگے''۔

صحیحین کی حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن وہ ان سے مل نہیں پاتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: آدمی کا انجام انہی کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی''۔

نیک لوگوں کی صحبت کا انسان کو ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی عقل اور دین کا فائدہ ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اولیاء وہ ہوتے ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آ جائیں، نیک لوگوں کو دیکھنا ہی اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے تو ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے ساتھ بیٹھنے کی کیا ہی بات ہوگی؟

اس وقت معاشرہ کیوں گمراہی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ برے ہم نشین ہیں، جب انسان برے لوگوں کے ساتھ بیٹھا گا تو وہ کبھی بھی اچھائی کی رہنمائی نہیں کرے گا بلکہ برائی کی طرف لے جائے گا، لہٰذا فاسقوں، گناہ گاروں اور شریر لوگوں کی صحبت سے ڈرو اور بچو؛ کیونکہ ایسی صحبت تمہارے لیے گناہوں کے ارتکاب اور واجبات کو چھوڑنے کا ذریعہ ہے۔

ان لوگوں کی صحبت سے بہت زیادہ خوف کرنا چاہیے، کیونکہ یہ لوگ ہدایت کے راستہ کے ڈاکو ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی نکالنا چاہتے ہیں۔

اب ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسے برے اور شک میں ڈالنے والے لوگوں سے بچنا چاہیے، کیونکہ ایسا انسان متکبر ہوتا ہے اور اس کا مزاج چوروں والا ہوتا ہے، برے اور بدکار لوگوں کی اچھی زندگی اور ان کی زبان کی شیرینی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے، کیونکہ کبھی پانی کا منظر صاف ستھرا ہوتا ہے، لیکن اس کا ذائقہ نجس ہوجاتا ہے، جو شخص برے لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا اور ان کے ساتھ میل جول رکھے گا تو ان کی صحبت کی وجہ سے ہر مقام پر نقصان ہی نقصان اٹھائے گا۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال : آج کل مغربی تہذیب نے جہاں بہت سی چیزوں کو رواج دیا ہے،ان میں ایک حیاسوز رواج یہ ہے کہ میاں بیوی کے مادہ اور بیضہ کو مخلوط کر کے کسی دوسری عورت کے رحم میں بچہ کی افزائش کے لیے ڈال دیا جاتا ہے،اس کے لیے کرایہ پر عورتیں تیار ہو جاتی ہیں، ہمارے ہندوستان میں تیزی سے اس کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، کیا کسی عورت کے لیے اپنے رحم کا استعمال بطور کرایہ درست ہوگا؟

جواب: کسی اجنبی مرد وعورت کے مخلوط مادہ کو کسی اجنبی عورت کے لیے اپنے رحم میں رکھنا خواہ کرایہ پر ہو یا عاریۃً ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں بے حیائی کیساتھ حرمت زنا کی علت اختلاط نسب بھی پائی جاتی ہے ، اور حدیث میں اس کی واضح طور پر ممانعت آئی ہے،اس لیے اس سے بچنا لازم ہے۔

[سنن ابی داؤد: ج۱/ص۲۹۳]

سوال : موجودہ مغربی تہذیب نے عملاً اور بہت سی جگہ قانوناً اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ نسبی شناخت کا تحفظ ضروری نہیں ہے، اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اولاد سے محروم مرد وعورت کے لیے مغربی ملکوں اور خود ہمارے ملک میں مادہ منویہ بینک قائم کیے جا رہے ہیں، اس طرح کے بینک ان مردوں کے لیے جن کے جرثومے تولید صلاحیت نہیں رکھتے، کارگر جرثومے فراہم کرتے ہیں،اور جن عورتوں میں تولید کے لیے بیضے نہیں ہوتے،ان کے لیے بیضے مہیا کرتے ہیں،سوال یہ ہے کہ کسی مرد یا خاتون کے لیے اپنے مادہ منویہ اور بیضے فروخت کرنا یا بینک کو بطور ہدیہ یا عطیہ دینا جائز ہے؟

جواب : اہل مغرب کی طرف سے جو حیاسوز چیزیں آرہی ہیں ، ان میں مادہ منویہ بینک یہ بھی ہے،اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے،اس کی تہذیب تمام اخلاقی خرابیوں سے پاک ہے ، اسلامی شریعت میں تحفظ نسب کی بڑی اہمیت اور تاکید ہے، اختلاط نسب سے سختی سے روکا گیا ہے،اس لیے مادہ منویہ بینک سے کسی طرح کا رابطہ خواہ خرید وفروخت کا ہو یا ہدیہ وعطیہ ہرگز جائز نہیں، حدیث نبویؐ میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ ہدایت موجود ہے کہ کسی ایسے انسان کے لیے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی سراب کرے:"لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر أن یسقی بماءہ زرع غیرہ"۔

[ابوداؤد: ج۱/ص۲۹۳]

سوال : ایک صاحب ریلوے کے ملازم تھے، پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقمیں تھیں ان میں اپنی اہلیہ کا نام درج کر دیا تھا کیونکہ سرکاری ضابطہ یہ ہے کہ تنخواہ کا جو حصہ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع ہوتا ہے، دوران ملازمت انتقال کی صورت میں اس شخص کو ملتا ہے، ملازم جس کا نام درج کر دے۔ شخص مذکور کا دوران ملازمت ہی انتقال ہو گیا، مرحوم کی اہلیہ کہہ رہی ہیں کہ اس رقم کی میں تنہا حقدار ہوں، ان کے لڑکے کہتے ہیں یہ رقم ہم سب بھائی بہنوں کی ہے اور آپ کی بھی، شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب : پراویڈنٹ فنڈ چونکہ مرحوم کی تنخواہ کا ایک حصہ ہے ، اس لیے یہ رقم مال متروکہ میں شامل ہوں گی اور تمام ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی، صرف نامزد اہلیہ کی نہیں ہوگی بلکہ اولاد کی موجودگی میں اہلیہ کو آٹھواں حصہ ملے گا ، بقیہ اولاد کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر لڑکی کو ایک ایک حصہ اور ہر لڑکے کو دو دو حصے ملیں گے۔

[الدر المختار مع رد المحتار: ج۱۰/ص۵۱]

سوال : جو لوگ فساد میں شہید ہو جاتے ہیں اور حکومت کی طرف سے خون کا معاوضہ ملتا ہے، اس معاوضہ میں کس کا حق ہوگا؟ کیا صرف بیوی کا حق ہوگا؟ یا دیگر ورثہ کا بھی؟

جواب: اگر حکومت کی طرف سے کسی کو متعین کر کے وہ رقم نہیں دی گئی ہے تو وہ رقم شہید ہونے والے ورثہ کے درمیان شرعی وراثت کے طور پر تقسیم ہوگی۔[حوالہ سابق]

سوال: دو بھائی اور والدین پر مشتمل ایک مشترک خاندان تھا ، اسی وقت ایک بھائی نے ایک زمین خریدی اور اپنے نام رجسٹری کرایا؟ اب والد کا انتقال ہو گیا ہے، دوسرے بھائی اس خریدی ہوئی زمین میں اپنا حصہ مانگ رہا ہے، کیا شرعی اعتبار سے دوسرے بھائی کا بھی حق ہوگا؟

جواب: اگر مشترک آمدنی سے زمین نہیں خریدی گئی بلکہ ایک بھائی نے اپنے لیے خریدی تھی تو زمین خریدنے والے کی ہے دوسرے بھائی کا اس میں حصہ نہیں ہوگا ، اور اگر مشترک آمدنی سے زمین خریدی گئی ہے تو شریک بھائی کے حصہ کی جتنی رقم لگی ہے اتنی رقم خریدنے والے کے ذمہ واجب ہے، جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔[فتاویٰ ہندیہ]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

نـــدوة العـلـمـــاء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

Postal Regd. No: S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UPURD/2001/06071
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting : 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 57 Issue No.08

ISSN 2582-4619

25 February 2020

RK JEWELLERS
Renowned Name in Jewellery

Haji Abdul Rauf Khan
Haji Mohd. Faheem Khan
Mohd. Owais Khan

Shop : Sarai Bans, Akbari Gate,
Chowk, Lucknow - 226003
Ph.: 0522-2267910
+91-9415108039

R.K. Clinic Research CENTRE

R. K. CLINIC
& RESEARCH CENTRE
Dr. Mohammad Fahad Khan
M.D.

विशेषज्ञ पेट एवं उदर रोग, श्वास एवं चेस्ट रोग, एण्ड्रोक्रायोनोलोजी एवं मधुमेह रोग

24 HOURS EMERGENCY SERVICES AVAILABLE

G-1, Aman Apartments, Chaupatiyan, Opp. Power House, Lucknow
Ph.: 0522-2651950, 9415006983

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

: کی ایک قابل اعتماد دوکان :
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ

اظہارسن پرفیومرس

اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow
Tel : 0522-2255257 - Mobile : +91-9450462665
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell : +91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

PAY ONLINE
We accept debit and credit cards from all card associations
VISA Maestro MasterCard NET BANKING
www.tameerehayat.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*,
Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

DSGN. BY: **SAAD HAMDAM** (MALEGAON, M.S.) @9860448783